بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِینَ ظَلَمُوا أَهْوَاءهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ۔ القرآن

حقیقت یہ ہے کہ ظالموں نے بغیر جانے بوجھے اپنی خواہشات کا اتباع کر لیا ہے

سِرالمبین

از قلم: سید آفتاب حسین کاظمی

مکتبہ آل موسیٰ کاظم علیہ السلام

راولپنڈی، کینٹ ۔ پاکستان

سِرالمبین

سِر المبین

مصنف: سّید آفتاب حسین کاظمی

ناشر: مکتبہ آلِ امام موسیٰ کاظمؑ، راولپنڈی صدر، پاکستان

سِرالمبین

مطبوعہ: جنوری 2012ء

طبع اول

تعداد: ۱،۰۰۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ظَهَرَ الْفَسادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِما كَسَبَتْ اَيْدِی النّاسِ، فَاَظْهِرِ اللّٰهُمَّ لَنا وَلِيَّكَ وَابْنَ بِنْتِ نَبِيِّكَ الْمُسَمّى بِاسْمِ رَسُولِكَ حَتّى لا يَظْفَرَ بِشَیْءٍ مِنَ الْباطِلِ اِلاّ مَزَّقَهُ، وَيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُحَقِّقَهُ، وَاجْعَلْهُ اَللّٰهُمَّ مَفْزَعاً لِمَظْلُومِ عِبادِكَ، وَناصِراً لِمَنْ لا يَجِدُ لَهُ ناصِراً غَيْرَكَ، وَمُجَدِّداً لِما عُطِّلَ مِنْ اَحْكامِ كِتابِكَ، وَمُشَيِّداً لِما وَرَدَ مِنْ اَعْلامِ دينِكَ وَسُنَنِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ۔

بحر و بر میں فساد رونما ہو گیا ہے اور خود لوگوں ہی کے ہاتھوں۔ اے اللہ! اپنے ولی (حجب زمانہ علیہ السّلام) کو جو تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی کا فرزند ہے اور تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا ہم نام ہے، ظاہر فرمادے کہ کوئی باطل ایسا نہ ملے جس کا پردہ چاک نہ کردے، اور حق کو حق ثابت کر کے رہے۔ اے اللہ! اُن کو اپنے مظلوم بندوں کا پشت پناہ اور جس بے کس کا تیرے سوا کوئی نہ ہو اُس کا مددگار بنادے، اُن کو جلد لے آ کہ تیری کتاب کے جو احکام معطل ہو رہے ہیں، انہیں وہ پھر سے جاری و ساری کر دیں، اور تیرے دین کی نشانیوں، اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو مستحکم کر دیں۔

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
الحمدللہ وکفی وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصاً علیٰ نبیِّنا
محمدؐ المصطفیٰ وآلِہ الاصفیاء۔

عقد سیّد زادی کا مسئلہ ایک مرتبہ پھر زبان زدِ عام ہے اور مختلف افراد کے درمیان استفسار و استفہام کا ایک سلسلہ گرم ہے، خواتین و حضرات اپنی اپنی قابلیت ولیاقت سے جواز اور عدم جواز پر اظہار خیال فرماتے نظر آتے ہیں، ایک طرف اس نکاح کے جواز کے مخالفین دلائل اور جذباتیت دکھاتے ہیں تو قائلینِ جواز فتاویٰ مجتہدین سے اتمام حجت کرتے ہوئے اپنی بے قصوری ظاہر کرتے ہیں، بہر حال عوام الناس اور علماء دونوں کی ایک اکثریت فاطمیہ مستور کے غیر سیّد سے نکاح کو جائز سمجھتی ہے، کئی افراد نے یہ رشتے کیے ہیں اور کئی سادات نے اپنی بیٹیاں غیر سادات میں بیاہی ہیں، لیکن اس مسئلہ نے ایک مدت سے اہل تشیع کے اندر فضاء کو مکدر بنایا ہوا ہے، بحث ہے کہ تھمنے کا نام نہیں لے رہی۔

میں خود بھی ایک عرصہ سے اس موضوع پر اپنے احباب کے ساتھ بحث و مباحث میں مصروف رہا ہوں اور کئی علماء کے ساتھ بھی گفتگو رہی، جب بھی بحث چھڑتی اکثر مجتہدین کے فتاوٰں پر آکر رک جاتی یا پھر نکاح کے عدم جواز کے استدلال محض جذباتیت پر مبنی قرار دیئے جاتے، گزشتہ کچھ برسوں سے یہ مسئلہ یہاں کچھ زیادہ ہی زیر بحث آنا شروع ہوا اور متعدد بار انتہائی تلخ صورت اختیار کر گیا، لہٰذا بدمزگی کے اندیشے سے سرِ عام بحث سے اجتناب کیا جانے لگا، جو بھی اس موضوع پر بات کرتا اسے مشورہ دیا جاتا کہ وہ اپنے مرجعٔ تقلید کے فتویٰ کے مطابق عمل کرے، یہ مسئلہ خواتین میں بھی جاری تھا جو مجالس عزا میں اکٹھی ہوتیں اور اس موضوع پر بھی اپنی رائے کا اظہار کرتیں۔

یہ معاملہ میرے نزدیک سنگین تھا کیونکہ میں دینی معاملات میں ظنّی اور جزباتی نکتہ نظر رکھنے کا قائل نہیں اور نہ ہی اندھی تقلید کا قائل ہوں، دوسری طرف قائلین عدم جواز نکاح کا اصرار ہے کہ یہ مسئلہ تقلید کا نہیں بلکہ اعتقاد کا ہے، اس صورت حال میں کچھ دوست احباب نے بھی مشورہ دیا کہ یہ دین کا ایک اہم مسئلہ ہے اور ہر شخص اپنے اعمال کا جواب دہ ہے تو کیوں نہ کوئی عقیدہ قائم کرنے سے پہلے تحقیق و جستجو کی جائے، ارشاد باری تعالیٰ بھی ہے کہ

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ[1]

حقیقت یہ ہے کہ ظالموں نے بغیر جانے بوجھے اپنی خواہشات کا اتباع کر لیا ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَواْ إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُواْ فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ[2]۔

جو لوگ صاحبانِ تقویٰ ہیں جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھونا بھی چاہتا ہے تو خُدا کو یاد کرتے ہیں اور حقائق کو دیکھنے لگتے ہیں۔

ان ہی خیالات میں چند روز گزر گئے پھر ایک دن جناب سیّدہ کونین سلام اللہ علیہا کی خدمت میں اپنا عریضہ بھیجا کہ بی بی! کوئی سبیل کیجیے! ۔ ۔ ۔ راستہ دکھائیے! ۔ ۔ ۔ مدد کیجیے! ۔ ۔ ۔ سیدہ کونینؑ سے التجا نے میرے اندر ایک تحریک پیدا کی، جستجو بڑھی اور صرف چند ہی ایام میں دلائل کی ایک نئی دنیا آشکار ہونا شروع ہوئی جس سے مسئلہ کے متفرق پہلوں پر تشفّی ہوتی چلی گئی، تحقیق و تدبر کا یہ عمل دشوار تھا کہ نتیجہ تک رسائی کے لیے اپنے دامن کو قیاسِ ممنوعہ، تفسیر بالرائے، اور خواہش نفس سے بھی بچانا تھا، تحقیق و تحلیل و مطالعہ کا شغف ممیز ہوتا گیا اور اسی دوران خیال آیا کہ کیوں نہ اپنی اس کوشش کو کتابی شکل میں مدون کیا جائے جس سے نہ صرف تحقیق میں بہتری آئے گی بلکہ ایک ضابطہ

---

[1] سورہ الروم ۲۹

[2] سورہ الاعراف ۲۰۱

اور اسلوب بھی حاصل ہو جائے گا، چنانچہ اس کے بعد کئی ماہ تک نوٹس اکھٹے کرتا رہا اور درجنوں صفحات بھی لکھ ڈالے۔

اس موضوع پر بڑھتے ہوئے مطالعہ اور تحقیق نے اس احساس کو تقویت دی کہ ناموس انسانیت کا ایک بیش بہا زیور ہے، لفظ ناموس پر غور کرتے ہوئے یہ احساس مزید بڑھا کہ اس انمول شئ کا شعور و ادراک نہ رکھنا کتنا بڑا انسانیت سوز ظلم ہے، چنانچہ تاریخ کے انگنت اوراق نگاہوں کے سامنے عہدِ فرعون سے لے کر عصر حاضر تک مختلف اقوام، خاندان، اور افراد کے ناموس پر کیے جانے والے حملوں کی منظر کشی کرنے لگے، حُرمت و ناموس کی تاراجی نت نئے روپ میں انسانیت کو رسوا کرتی نظر آئی، حتٰی کہ حُرمتِ رسول اللہ ﷺ اور اولادِ رسول ﷺ بھی اسی روش کی بھینٹ چڑھتی دکھائی دی، مقام صد افسوس ہے کہ اس ظلم میں کوئی غیر نہیں بلکہ خود اُمت رسول ﷺ ملوث ہے، اس ظلم کو بھی عینِ اسلام قرار دیا گیا اور قرآن و حدیث سے اُسی طرح کی تاویلیں لائی گئی کہ جس طرح انتخابِ خلیفہ رسولؐ، غصبِ فدک، اور دیگر نفسانی خواہشات کو دین میں جاری کرنے کے لیے لائی گئیں۔

سیّد زادی فاطمیہ کے غیر اولادِ رسولؐ سے عقد کا مسئلہ علما کا سہو ہے یا اجتہاد و جمہور کی غلطی، یا پھر فقہاء نے اس کے جواز کے فتوے بغیر کسی صریح و واضح حدیث کے کسی ضرورت و اہمیت کو از خود درک کرتے ہوئے صادر کیے ہوں، بہر حال اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ اہل تشیع اور اہل سنت دونوں میں موجود ہے، دونوں فرقوں میں قائلین جواز اور عدم قائلین جواز موجود ہیں، اکثریت کے اعتقادات کو دیکھتے ہوئے میں یہ سمجھنے پر مجبور ہوں کہ حضور اکرم ﷺ کو جس طرح کے اصحاب کی اکثریت ملی اسی طرح اسی قبیل کے شیعہ اور محبان کی اکثریت اولادِ رسول ﷺ کو بھی ملی ہے جو ہوائے نفسی میں خدا اور رسول اللہ ﷺ کی سخت تنبیہ کو بھی خاطر میں نہیں لاتی، حکم باری تعالیٰ ہے

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ[1]

اور جو بھی ہمارے نازل کیے ہوئے قانون کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا وہ سب کافر شمار ہونگے

میری جستجو نے رفتہ رفتہ ایک واضح نکتہ نگاہ قائم کرنے میں مدد دی اور ان صفحات میں یہی آپ کے سامنے دلائل کے ساتھ پیش کر رہا ہوں تاکہ اس ضمن میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ ادا ہو سکے۔

زیر نظر موضوع پر لکھنا فی زمانہ دین میں مروج ایک رویہ (جو کہ ہماری دانست میں غلط العام ہے) کو سرے عام چیلنج کرنا ہے جو بڑی ہمت اور حوصلہ کی بات ہے خصوصاً جب علماء کے ایک بڑے گروہ کی تائید بھی اسے حاصل ہو، لیکن ہمارا تعلق اس دین سے ہے جو اکثریت نہیں بلکہ اصول و حق کی طرفداری کرتا ہے، ان حالات میں یہ کام در حقیقت امام حسین علیہ السلام کے استغاثہ پر لبیک کہنا ہے۔ دوران جستجو، میری توجہ بار بار اس حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مبذول ہوتی رہی جسے علامہ مجلسیؒ نے شیخ صدوقؒ کی کتاب امالی کے حوالے سے بیان کیا ہے

> موسیٰ بن اسماعیل نے اپنے باپ سے اور اُنہوں نے حضرت موسی علیہ السلام بن جعفر علیہ السلام سے اور اُنہوں نے اپنے آبائے کرام سے روایت کی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کا بیان ہے کہ۔۔۔آنحضرتؐ نے فرمایا'۔۔۔جو ہماری ذُریت کو اذیت دیگا یا ہمارا خون بہائے گا اس پر میرا اور اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو گا[2]۔

عالم یہ ہے کہ ایک اکثریت اپنے افعال و اعمال پر خود نہ تو کوئی غور کرتی ہے اور نہ ہی حکم خداوند تعالیٰ کو درخور توجہ سمجھتی ہے اس کے برعکس ناموس رسالت و امامت پر فتوے بصد شوق و احترام قبولیت کی سند پاتے ہیں یعنی بقول شاعر: رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی۔

---

[1] سورہ مائدہ ۴۴

[2] بحار الانوار، جلد سوم، ص ۶۳

میرے لکھنے کا عمل ابھی جاری تھا کہ میرے ایک دوست سید ابصار عباس نے مشورہ دیا کہ کتاب کے بجائے ایک مختصر کتابچہ لکھوں کہ قوم کتب بینی سے بیزاری اختیار کر چکی ہے، نہ تو یہ شوق باقی ہے اور نہ ہی کسی کے پاس اتنا وقت کہ وہ کئی سو صفحات پر مشتمل کسی ضخیم مواد کو پڑھ سکے، مقصد چونکہ ابلاغ حق ہے لہذا کتابچہ کی تقسیم بھی آسان ہو گی اور قارئین بھی زحمت سے بچ جائیں گے، چنانچہ ان کے اس مشورہ پر عمل شروع کر دیا، اب یہ چیلنج درپیش ہوا کہ اتنے وسیع موضوع کو اختصار کے جامے میں کس طرح لایا جائے، بہرحال معصومین علیہم السلام خصوصاً سیّدہ کونین سلام اللہ علیہا سے مدد و نصرت کا طالب رہا اور اپنی مقدور میں پوری جان فشانی کے ساتھ کوشش کرتا رہا، اللہ تعالیٰ بحق محمد و آلِ محمد علیہم السلام خصوصاً سیّدہ کونین سلام اللہ علیہا میری اس سعی کو قبول فرمائیں۔ الٰہی آمین۔

کتب احادیث کی اس دیارِ غیر میں عدم دستیابی دوسرا بڑا چیلنج بنی رہی، فارسی اور عربی کی درستگی میں چند علماء کی مدد بھی لی جو کہ ناکافی ثابت ہوئی، امارات کی ایک دوسری ریاست ام القوئین میں مقیم سید رضا حیدر زیدی (شاہ جی۔ پال ٹاک فیم)، سید اخلاق حیدر زیدی (حال مقیم لاہور) سید ابصار عباس (العین) اور سید اقتدار علی کاظمی (العین) کی اس موضوع میں دلچسپی نے میرا حوصلہ بڑھایا، انہوں نے بعض حوالاجاتی کتب کی فراہمی اور اپنی قیمتی مشاورت سے بھی نوازا جس سے دشوار گزاری قدر کم ہوئی، خصوصاً سید اخلاق حیدر جنہوں نے ہر نکتہ پر میرے ساتھ سیر حاصل بحث کر کے دلائل کی پختہ کاری میں ایک اہم کردار ادا کیا۔

میں ان علماء کرام کا بھی انتہائی مشکور ہوں جنہوں نے میرے ساتھ تعاون کیا، ان میں دونوں ہی نکتہ ہائے نگاہ کے حاملین ہیں لیکن چونکہ یہ ایک حساس موضوع ہے اس لیے میں ان کے نام نامی یہاں درج نہیں کر رہا۔

اگر قارئین کرام میں سے کوئی اپنی قیمتی رائے سے نوازنا چاہے یا کسی کمی یا خامی کی نشاندہی کرنا چاہے تو اس پتہ پر میل کر سکتا ہے aftab.kazmi@gmail.com انشاءاللہ کتاب کے اگلے ایڈیشن میں بشرط زندگی درستگی کی کوشش کی جائے گی۔

والسلام

سید آفتاب حسین کاظمی
۱۴؍ جنوری، ۲۰۱۲۔ بمطابق، ۲۰؍ صفر المظفر ۱۴۳۳ ہجری
العین۔ متحدہ عرب امارات

باب اول

اصول فضیلت

تخلیق کائنات میں اللہ سبحانہ تعالیٰ نے بہت سے اسرار اور التزامات رکھے ہیں، آج کے اس دورِ جدید میں بھی ہر دین و مذہب کے علماء، محقق اور سائنسدان ان اسراروں کو جاننے اور ان کی افادیت کو سمجھنے میں مشغول ہیں، بحیثیت مسلمان ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید فرقان حمید، نبی اکرم ﷺ اور ہادیان برحق کے ذریعہ بہت سے اسرار منکشف کر دیئے ہیں، ان انکشافات نے ہمیں اس مشقت سے بچا لیا ہے جس میں دوسرے ادیان کے لوگ منہمک و غرق ہیں، مغربی معاشرہ اپنی پوری کوششوں اور وسائل کے باوجود ان پاک و پاکیزہ انسانی، اخلاقی، روحانی، معاشرتی، معاشی، اور علمی اقداری کو نہیں پاسکا۔

اللہ تعالیٰ کے اسی نظام کائنات میں ایک نہایت ہی واضح اصول کار فرما ہے جسے اصول فضیلت کہا جاتا ہے، اسی اصول پر خداوند عالم نے جمادات یعنی پتھر، پہاڑ وغیرہ، نباتات یعنی درخت اور جڑی بوٹی، اور حیوانات کہ جن کی ایک قسم میں انسان کو بھی شامل کیا جاتا ہے خلق کیے ہیں، علماء ان کو موالید ثلاثہ کہتے ہیں اور ان میں سب سے نچلے درجے پر جمادات، پھر نباتات، اور سب سے بالا حیوانات اور ان سے بھی اوپر انسان کو رکھا جاتا ہے، ان درجات کی وجہ وہ فضیلتیں اور شرف ہے جو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو عطا کی ہیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً[1]

---

[1] بنی اسرآءِیل (الاسرا) ۷۰

اور ہم نے بنی آدم کو کرامت عطا کی ہے اور انہیں خشکی اور دریاؤں میں سواریوں پر اٹھایا ہے اور انہیں پاکیزہ رزق عطا کیا ہے اور اپنی مخلوقات میں سے بہت سوں پر فضیلت دی ہے

اس باکرامت مخلوق کی نسل کو اللہ سبحانہ تعالیٰ نے ایک ماں اور باپ سے ترقی دی اور اسے نسلوں اور قبیلوں میں تقسیم کیا تاکہ ان کی پہچان ہو سکے۔

سُبْحَانَ الَّذِي خَلَقَ الْأَزْوَاجَ كُلَّهَا مِمَّا تُنبِتُ الْأَرْضُ وَمِنْ أَنفُسِهِمْ وَمِمَّا لَا يَعْلَمُونَ[1]

پاک و بے نیاز ہے وہ خدا جس نے تمام جوڑوں کو پیدا کیا ہے ان چیزوں میں سے جنہیں زمین اگاتی ہے اور ان کے نفوس میں سے اور ان چیزوں میں سے جن کا اُنہیں علم بھی نہیں ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا۔۔الخ[2]

انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تم میں شاخیں اور قبیلے قرار دیئے ہیں تاکہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو

اس آیہ مبارکہ سے ظاہر ہے کہ بنی نوح انسان کی تمام نسلیں اور قبیلے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی پہچان کے لیے بنائے ہیں، یہ پہچان کیا ہے؟ اور اس پہچان میں کیا راز و حکمت پوشیدہ ہے؟ ان سوالات کی تحلیل و تشریح آئندہ صفحات میں آئے گی مگر یہاں یہ جان لینا ضروری ہے کہ یہ آیہ مبارکہ انسانی نسلوں اور قبیلوں کے قائم رکھے جانے پر نصِ قرآنی ہے، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ان نسلوں اور قبیلوں کے درمیان امتیازات منشاء ربانی ہے کیونکہ پہچان کسی امتیازی شرف یا خصوصیت کے بغیر نہیں ہو سکتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیہ مبارکہ کے ذریعہ سے نسلوں و قبائل کی پہچان کو فرض قرار دیا ہے اس لیے کوئی بھی ایسا فعل جو کسی فرد، نسل، یا قبیلہ کی پہچان کو تحلیل کر دے خُداوندِ عالم کی مصلحت و حکمت اور منشاء سے متصادم، باطل، اور ظلم قرار پائے گا۔

---

[1] یسین ٣٦

[2] سورہ الحجرات ١٣

انظُرۡ كَيۡفَ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلَىٰ بَعۡضٍ وَلَلۡاَخِرَةُ أَكۡبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكۡبَرُ تَفۡضِيلاً[1]

آپ دیکھیے کہ ہم نے کس طرح بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے اور پھر آخرت کے درجات اور وہاں کی فضیلتیں تو اور زیادہ بزرگ و برتر ہیں

یہ کرامات، شرف اور خصوصیات اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہیں نسبی ہیں کسبی نہیں اور انہی کی توسط سے افراد اور نسلوں کو حاملِ فضیلت بنایا گیا ہے، چنانچہ ہر قبیلہ و نسل میں کوئی فرق ہونا لازمی ہے ورنہ تمیز و پہچان بلا وجہ اور عبث ہو گی، فضیلتوں کا یہ سلسلہ احسن الخالقین نے اپنے انبیا اور رسولوں میں بھی رکھا، ارشاد خُداوندِ عالم ہے

وَلَقَدۡ فَضَّلۡنَا بَعۡضَ النَّبِيِّينَ عَلَىٰ بَعۡضٍ۔۔الخ[2]

اور ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے

نَرۡفَعُ دَرَجَاتٍ مِّن نَّشَاء۔۔الخ[3]

ہم جس کو چاہتے ہیں اس کے درجات کو بلند کر دیتے ہیں

یہاں یہ امر بھی قابل توجہ ہے کہ قانونِ فطرت ہے کہ ہر ادنیٰ اپنے سے اعلیٰ پر قربان ہو جاتا ہے اس کی بے شمار مثالیں ہمارے سامنے ہیں، جیسے نباتات کو اللہ تعالیٰ نے حیوان سے ادنیٰ رکھا ہے چنانچہ حیوانات نباتات کو استعمال میں لاتے ہیں، اسی طرح دیگر انواع حیوانات سے انسان افضل ہے اور وہ نباتات اور حیوانات پر حقِ تصرف رکھتا ہے۔ لیکن اگر کہیں اس کے الٹ ہو تو خلاف فطرت ہو گا اور ادنیٰ کا اعلیٰ یا مفضول کا فاضل پر حاکم بننا یا غالب آجانا غیر فطری ہے، چونکہ اسلام دین فطرت ہے اور اس کی اساس عدل پر ہے لہٰذا غیر فطری عمل عدل کا متضاد ہے اور اسے ظلم قرار دیا گیا ہے، ارشاد خداوند تعالیٰ ہے

---

[1] سورہ بنی اسرآءِیل ۲۱
[2] سورہ بنی اسرآءیل ۵۵
[3] سورہ یوسف ۷۶

مَن لَّمۡ یَحۡکُم بِمَآ أَنزَلَ اللّٰہُ فَأُوۡلَـٰئِکَ هُمُ الۡفَاسِقُونَ[1]

جو بھی تنزیلِ خُدا کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا وہ فاسقوں میں شمار ہو گا

قرآنی آیات اور احادیث کی روشنی میں علماء کرام اس اصول پر متفق ہیں کہ الظلم وضع الشئ علٰی غیر محلہ یا فی غیر محلہ کہ کسی شئ کو اس کے مقام سے ہٹانا یا ایسے مقام پر رکھنا جس کا کہ وہ حق دار نہیں ظلم ہے، ظلم وہ فعل ہے جس کے لیے اسلام میں کوئی بھی نرم گوشہ نہیں رکھا گیا اور بار بار اللہ تعالیٰ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور معصومین علیہم السلام نے اس سے بچنے کی تاکید کی ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے

وَلاَ تَرۡکَنُوٓاۡ إِلَی الَّذِینَ ظَلَمُواۡ فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ[2]

اور خبردار تم لوگ ظالموں کی طرف جھکاؤ اختیار نہ کرنا کہ جہنّم کی آگ تمھیں چھولے گی

قارئین کرام! یہ امر میرے لیے باعث تعجب نہیں کہ دین میں اتنی وضاحت سے بیان شدہ اصولَ فضیلت کو اس زمانہ میں مسلمانوں نے پس پشت ڈال دیا ہے، مغرب کے لادین افکار اور ابلیسی گمان ہمارے معاشرے میں اتنے غالب آچکے ہیں کہ ہمارا ہر گوشۂ زندگی ان سے متاثر ہے، ہم اپنی خواہشات کو دین کا جامہ پہنانا چاہتے ہیں بجائے اس کہ ان کو دین کے طابع ہونا چاہئے۔ مغربی مساوات کے نظریات اتنے راسخ ہوچکے ہیں کہ نسب وانساب کے قرآنی امتیازات کو دقیانوسی قرار دے کر طاق میں رکھ دیا گیا ہے، حد تو یہ ہے کہ اپنی خواہشاتِ نفسی کو جائز ثابت کرنے کے لیے قرآن و حدیث سے ہی تاویلیں لائی جاتی ہیں، ایسے ہی افراد کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے قَلِیلاً مَّا تَذَکَّرُونَ[3]۔ تم بہت کم نصیحت مانتے ہو۔ ان افراد کو یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالی کے قانون فضیلت کا ابطال نہیں کیا جاسکتا، پس فاضل پر مفضول قوم کے افراد کو حاکم بنانا اس قانون الٰہیہ کا صریحاً انکار ہے جو کسی

---

[1]سورہ المائدہ ۴۷
[2]سورہ ہود ۱۱۳
[3]سورۃ الاعراف ۳

طور اسلامی نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ عَلِیمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ہے وہ دلوں کے حال بھی جانتا ہے اسی لیے انسانی سرشت کو دیکھتے ہوئے فرماتا ہے

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ [1]

اور خبردار جو خُدا نے بعض افراد کو بعض سے کچھ زیادہ دیا ہے اس کی تمنّا اور آرزو نہ کرنا

---

[1] سورہ النساء ۳۲

باب دوئم

نسب وانتخاب

ہمارے دین میں سلسلہ نسب کی اہمیت، اس کے بر قرار رکھنے کی علت، قانون فضیلت، اور ہر شے کو اُس کے اصلِ مقام پر رکھنے کی وجہ نہایت ہی واضح اور صاف ہے۔ اب اگر اس کو کوئی درخور اعتنا نہ جانے تو یہ اُس کا فعل ذاتی ہے جس کی اسلام میں کوئی جگہ نہیں۔ متذکرہ بالا تمام امور و قانون کی رو سے سیدّہ فاطمیہ کا نکاح غیر فاطمی مرد سے منعقد نہیں ہوتا ایسا صرف اسی وقت ممکن ہے جب ان تمام امور کو منہدم کر دیا جائے اور خواہشات نفسی کو دین میں جاری کر دیا جائے، اللہ تعالیٰ نے قرآن میں مفضول اقوام کے ایسے ہی عمل کو فاضل قوم کی مستورات کے خلاف عذاب شدید سے تعبیر کیا ہے(اس جملہ کی توضیح آگے آئے گی)۔ آیئے اب اس کا قدرے تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔

لفظ سیّد اور سیّدہ کی مختلف تعبیریں ہیں ہمارا ان لفظوں پر اصرار نہیں کیونکہ تاریخ میں بہت سارے ایسے سلسلہ ہائے نسب موجود ہیں جن سے منسلک افراد خود کو سیّد کہلاتے رہے ہیں اور ان کی خواتین کے نکاح غیر سادات میں ہوتے آئے ہیں، ہمیں یہاں پر فقط سادات بنی فاطمیہ کا ذکر مقصود ہے جو کہ اولاد رسول اللہ ﷺ ہونے کی وجہ سے آج بھی شرف وفضیلت کی حامل ہے، اس نسل کی خواتین کل بھی بنات رسول ﷺ تھیں اور آج بھی ہیں اور تا آخر نسب رسول اللہ کی بیٹیاں ہی رہیں گی[1]،ان کا شرف وفضیلت نسبی اور عطارب عظیم ہے، نکاح کے لیے کفوٴ شرط اولین ہے، کفوٴ کے معنی ہیں ہمسری کے برابری کے جیسا کہ وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ[2] میں خود اللہ تعالیٰ نے بیان فرما دیا ہے، چنانچہ نسبی شرف وفضیلت پر انسان کے کسب سے کچھ لینا دینا نہیں، ایسا ممکن ہی

---

[1] اس ضمن میں امام علی رضا علیہ السلام اور مامون رشید کا مکالمہ ہر مومن کے ذہن میں ہوگا

[2] سورہ اخلاص ۴

نہیں کہ کوئی مفضول النسب فرد اللہ تعالیٰ کے اس فرمان فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ کے بعد اپنے افعال و عبادات سے ان نسبی فضیلتوں کو پالے، چنانچہ ہمارا استدلال اللہ تعالیٰ کے قانونِ فضیلت اور عطاربی سے ہے نہ کہ انسانی کسب و تاویلات سے، فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ[1]۔خدا کی حجت بالغ یعنی کامل وغالب ہوتی ہے۔

تاریخ میں نسب اور قبائل کا ذکر حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت نوحؑ تک نہیں ملتا، اگر کوئی تھا بھی تو طوفان نوح نے اُس کو نابود کر دیا، ان کا آغاز فرزندانِ نوحؑ سے ہوتا ہے جب اُن کے بیٹے سام، حام اور یافت سے نسل انسانی دوبارہ چلی، اولادِ آدمؑ دنیا کے مختلف حصوں میں آباد ہوئی اور قبائل کا آغاز ہوا، اللہ تعالیٰ نے سب اولادِ آدم کو دیگر موجودات کی طرح فطری خصوصیات اور بعض کو مخصوص خصوصیات عطا کئیں اور انہیں نسبوں میں محفوظ کر دیا جن کے باعث اُن کی ایک دوسرے پر فضیلتیں قائم ہوئیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ[2]

اللہ نے آدم، نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو منتخب کر لیا ہے

اس طرح اللہ تعالیٰ نے شرف و فضیلت کے اُس سلسلے کا اجرا کیا کہ جس کے اوجِ کمال پر اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو رکھا، اس نے اپنی تمام مخلوقات سے آدم اور اولادِ آدم کو فاضل بنایا ہے، آدم کی اولاد میں سے حضرت شیث، پھر حضرت نوح، حضرت سام، حضرت ابراہیم سے ہوتا ہوا حضرت اسماعیل تک اس سلسلہ کو پہنچایا، یہاں سے اللہ تعالیٰ نے قبیلہ بنی کنانہ کو فاضل بنایا اور اس کے بعد یہ سلسلہ بنی قیدار، بنی مضر، بنی قریش اور بنی ہاشم سے آگے آکر بنی عبد المطلب تک پہنچا اور دو حصوں میں بٹ گیا، اب حضرت عبد اللہ اور حضرت عمران (ابی طالب) فاضل ٹھرے اور ان کے مقابلے میں تمام نسب و قبائل مفضول ہو گئے۔ اس مرحلہ پر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دو

[1] سورہ الانعام ۱۴۹

[2] سورہ آل عمران ۳۳

اور شخصیات یعنی حضرت علی علیہ السلام اور حضرت جعفر علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے منتخب و فاضل بنایا (دلیل آگے آرہی ہے) اس پر یہ بھی وضاحت کر دی کہ

ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ[1]

یہ ایک نسل ہے جس میں ایک کا سلسلہ ایک سے ہے اور اللہ سب کی سننے والا اور جاننے والا ہے

خُداوندِ عالم حکیم مطلق ہے اور حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا، ان شخصیات کے ظہور کے ساتھ ہی فضیلتوں کا یہ سلسلہ اپنے کمال کو پہنچ گیا، اب ان سے زیادہ خُداوندِ عالم کی منشاء اور انتخاب کے مطابق کوئی قوم کوئی قبیلہ کوئی شعبہ کوئی گھرانہ فاضل نہیں ہو سکتا۔

[1] سورہ آل عمران ۳۴

باب سوئم

حُرمتِ بناتِ رسولؐ

یہ امر مخفی نہیں کہ ہر قوم، قبیلہ، نسل اور خاندان کی مستورات کا حکم مردوں کے تحت ہے، ان کا ذکر اور حکم علیحدہ نہیں ہوتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر نہ کوئی فاضل ہے اور نہ کوئی ہو سکتا ہے، ان کی اولاد میں تمام مرد و خواتین بھی اصول قرآنی کے تحت اسی نسبی شرف اور فضیلت کی حامل ہیں، لہٰذا جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور ان کی ذریّت میں تمام بنات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی کوئی فاضل نہیں، چنانچہ پوری اقوام عالم میں ان کا کوئی بھی کفوٗ نہیں ہو سکتا اور بغیر کفوٗ نکاح بھی نہیں ہو سکتا، لیکن اگر ایسا کیا جائے تو اَلرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاء [1] ۔مرد عورتوں کے حاکم اور نگراں ہیں۔ کی رو سے مفضول کو فاضل پر حاکم بنایا جائے گا جو کہ ظلم ہے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے

وَلاَ تَرْكَنُواْ إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُواْ فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ [2] ۔

اور خبر دار تم لوگ ظالموں کی طرف جھکاؤ اختیار نہ کرنا کہ جہنّم کی آگ تمھیں چھولے گی

یہ بھی یاد رہے کہ ظلم اور ظالم کی حمایت کرنا اور ظلم اور ظالم سے راضی رہنا بھی ظلم ہی ہے۔

افسوس کہ امت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نبیؐ اکرم کے افکار و تعلیمات کو بہت جلد بھلا دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُنیا سے پردہ پوشی کیا ہوئی اولادِ رسول پر مصائب و آلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جانتے تھے کہ اُن کے تشریف لے جانے کے بعد کیا ہو گا اس کا عندیہ تو آپؐ کی وہ ہچکچاہٹ ہے جو آیہ مبارکہ یَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ [3] کے تحت ولایتِ علی

---

[1] سورہ النساء ۳۴

[2] سورہ ہود ۱۱۳

[3] سورہ مائدہ ۶۷

علیہ السلام کا اعلان کرتے ہوئے آپؑ کو درپیش تھی، اس تردُد کا باعث اُمت کے ہاتھوں اپنی اولاد کا بہیمانہ قتل اور ناموس کے ارزاں ہو جانے کے سوا کیا ہو سکتا تھا، تاریخ اسلام اس کی شاہد ہے، امام زین العابدین علیہ السلام نے اس کی تصدیق اُس وقت کی جب ایک شخص نے آپ کے گریہ پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ شہادت تو آپ کی میراث ہے، آپؑ نے فرمایا کہ بے شک شہادت ہماری میراث ہے مگر اے بندہِ خُدا! کیا حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بے پردہ بازاروں میں پھرایا جانا بھی ہماری میراث ہے؟ وقت نے دیکھا کہ حالات اُس نہج پر پہنچے کہ سیّدہ کونین کو اپنے حق کے لیے گھنٹوں حاکمِ وقت کی کچہری میں کھڑا رہنا پڑا، دشتِ نینوا میں اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خون میں نہلا دیا گیا اور حرمِ رسول کے سروں سے چادریں چھین لی گئیں، بعد کے ادوار میں اولادِ رسول کو کہیں زندہ دفن کیا گیا تو کہیں اُس کے خون سے عمارتیں تعمیر کی گئیں، دشمن تو دشمن ہی تھے، محبت و مودت کے دعویدار بھی شیطان کے بہکاوے میں آستین کے سانپ بن گئے، آج پوری اُمت اپنی بیٹیوں اور بہنوں کی مناکہت کے لیے تو کفو و خاندان دیکھتی ہے مگر رسول زادیاں ہر کسی سے بیاہی جا سکتی ہیں اور اُن کی حرمت و ناموس کوئی حیثیت نہیں رکھتی حالانکہ کہ قرآن پکار کر کہہ رہا ہے

اتَّبِعُواْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلاَ تَتَّبِعُواْ مِن دُونِهِ أَوْلِيَاء قَلِيلاً مَّا تَذَكَّرُونَ[1]۔

لوگو تم اس کا اتباع کرو جو تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے اور اس کے علاوہ دوسرے سرپرستوں کا اتباع نہ کرو، تم بہت کم نصیحت مانتے

کیا کوئی ہے جو اس نقار خانے میں طوطی کی آواز سنے؟ لیکن کہاں ۔۔۔ کسی کے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہے، جو کرنا ہے مفتیان و مجتہدین کو کرنا ہے مقلدین کے پاس اتنا وقت ہی کہاں ہے کہ تلاشِ حق کر سکیں، ایک ایسی بھیڑ چال کا چلن ہے کہ خود بھیڑیں بھی شرمندہ ہیں، شاید یہ آیہ مبارکہ بھی صرف رٹّے جانے کے لیے ہی نازل کی گئی ہے

---

[1] سورہ الاحراف ۳

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَائِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم مُّبْصِرُونَ[1]۔

جو لوگ صاحبانِ تقویٰ ہیں جب شیطان کی طرف سے کوئی خیال چھونا بھی چاہتا ہے تو خُدا کو یاد کرتے ہیں اور حقائق کو دیکھنے لگتے ہیں

چنانچہ قَلِیلاً مَّا تَذَكَّرُونَ کے مصداق اس میں تدبر کیوں کریں، مودتِ اہل بیت کے ان دعویداروں کی بہری سماعتوں سے تو سیّدہ کونین سلام اللہ علیہا کے نالے بھی ٹکرا کر لوٹ رہے ہیں، مگر وہ یاد رکھیں کہ عقد سیّد زادی کا تعلق عزتِ رسول اور خُداوند تعالیٰ کے نظام فضیلت سے ہے جو کہ اوجب ہے، یہ مسئلہ تقلید کا ہے ہی نہیں۔ حُرمت رسول کسی بھی فتویٰ سے اُمت پر مباح قرار نہیں دی جاسکتی اور نہ ہی بین قرآنی آیات کی موجودگی میں فاضل کو مفضول کی اطاعت میں دیا جا سکتا ہے، حُرمتِ رسول مومن کا قلبِ اعتقاد ہے اور کوئی بھی فتویٰ اس حُرمت کے مقابل وسوسہ شیطانی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا، فاضل کو مفضول بنانے کی کوششوں کا نتیجہ وحید قرآنی کے مطابق سوائے نار جہنم کے اور کچھ نہیں ، کیا یہ اصول علماء کا نہیں الظلم وضع الشئ علٰی غیر محلہ یا فی غیر محلہ کہ کسی شئ کو اس کے مقام سے ہٹانا ظلم ہے ؟ پھر اس اصول کا اطلاق سیّدہ فاطمیہ کے غیر اولادِ رسول کے ساتھ نکاح کے مسئلہ پر کیوں نہیں کیا جاتا؟ یہاں ایک فاضل النسب خاتون کو ایک مفضول النسب مرد کی حکمرانی میں دیا جانا کیوں کر ظلم نہیں ٹھہرتا؟ خواہشاتِ نفسی میں اتنا آگے بڑھ جانا کہاں کی عقلمندی اور کہاں کا دین ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ یہ فرمارہا ہے کہ

بَلِ اتَّبَعَ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَهْوَاءهُم بِغَيْرِ عِلْمٍ[2]

حقیقت یہ ہے کہ ظالموں نے بغیر جانے بوجھے اپنی خواہشات کا اتباع کر لیا ہے

خود کو رسول اللہ ﷺ کا امتی اور اہل بیتؑ اطہار کا شیعہ کہلوانے والے ڈریں اس امر سے کہ کہیں بی بیؑ کے خطبۂ فدک کے مخاطبین میں اُن کا شمار بھی نہ ہو جائے۔ یاد کیجیے ان الفاظ کو کہ وہ فرماتی ہیں

---

[1] سورہ الاعراف ۲۰۱

[2] سورہ الروم ۲۹

ہوشیار ہو جاؤ! آج تمہارے سامنے وہ ستم رسیدہ ہے جو کل تم سے قیامت میں ملے گی جب اللہ حاکم، محمدؐ طالبِ حق ہوں گے موعد قیامت کا ہو گا۔ ندامت کام نہ آئے گی اور ہر چیز کا اک وقت مقرر ہے۔ عنقریب تمھیں معلوم ہو گا کہ کس کے پاس رُسوا کن عذاب آتا ہے اور کس پر مصیبت نازل ہوتی ہے۔۔۔خُدا تمہارے کرتوت دیکھ رہا ہے اور عنقریب ظالموں کو معلوم ہو گا کہ وہ کیسے پلٹائے جائیں گے۔ میں تمہارے اس رسول کی بیٹی ہوں جس نے عذابِ شدید سے ڈرایا ہے، اب تم بھی عمل کرو میں بھی عمل کرتی ہوں، تم بھی انتظار کرو اور میں بھی وقت کا انتظار کر رہی ہوں۔[1]

سیّد زادی فاطمیہ کے غیر فاطمیہ مرد سے نکاح کے جواز کے قائلین تین بڑے اعتراضات اٹھاتے ہیں یہ تینوں ہماری دانست میں فکر و تدبر سے عاری ہیں، ان اعتراضات میں حُرمت ازواج نبیؐ، حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا حضرت عبد اللہ بن جعفر طیارؑ کے ساتھ نکاح، اور خمس کا مسئلہ شامل ہے، ہم ان تینوں کا جائزہ اپنے اپنے مقام پر لیں گے، پہلا اعتراض جس آیہ مبارکہ کے ذیل میں ہے وہ یہ ہے

وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا إِنَّ ذَٰلِكُمْ كَانَ عِندَ اللَّهِ عَظِيمًا[2]

اور تمہیں حق نہیں ہے کہ خُدا کے رسول کو اذیت دو یا ان کے بعد کبھی بھی ان کی ازواج سے نکاح کرو کہ یہ بات خُدا کی نگاہ میں بہت بڑی بات ہے

ہم نے یہ اعتراض خود اپنے کانوں سے مختلف علماء سے سنا ہے، اعتراض یہ ہے کہ اس آیت سے صرف ازواج نبیؐ سے حرمت نکاح ثابت ہے نہ کہ دختران نبیؐ سے، لہذا یہ آیت حرمتِ دختران نبیؐ پر دلیل نہیں ہو سکتی۔

[1] نقوش عصمت: صفحہ ۱۹۲، مصنف علامہ سید ذیشان حیدر جوادی، لکھنؤ
[2] سورہ الحجرات ۵۳

اس اعتراض اور آیہ مبارکہ کا بغور جائزہ لینے پر متعدد سوالات سامنے آتے ہیں کہ اس حکم کی علت اور وجہ کیا ہے؟ کیا یہ حُرمت و شرف رسولؐ کا مسئلہ ہے؟ یا کہ اس حکم کی وجہ ازواجِ رسولؐ کا کوئی ذاتی شرف و فضیلت ہے، اگر یہ خواتین زوجیت رسولؐ میں نہ آتیں تو کیا اسی حُرمت کے لائق ہوتیں وغیرہ وغیرہ۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خواتین زوجیت رسولؐ میں آنے سے پہلے اللہ کے حکم عمومی میں تھیں اور ان سے اُمت کے کسی بھی فرد کے نکاح کرنے پر کوئی ممانعت نہ تھی، ان میں ایسی خواتین بھی شامل ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقابل کوئی ذاتی شرف و فضیلت نہ رکھتی تھیں، بعض پہلے سے متعلقہ تھیں اور بعض کی تو خود اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ہے اور سورہ تحریم کی آیات اس پر شاہد ہیں لہٰذا اس حکم کا ان خواتین کے کسی ذاتی شرف و فضیلت کی بنا پر ہونا ثابت نہیں، چنانچہ جب ان کا نکاح ہوا تو ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک سببی نسبت (یعنی نکاح سبب بنا) قائم ہوئی، اس نسبتِ رسول نے انہیں تمام امت کے لیے دائماً محترم ٹھہرایا اور امہات کے درجہ تک بلند کیا اگرچہ انکی رسول سے نسبت نہ نسبی تھی اور نہ دائمی، یہ نسبت طَلَّقَكُنَّ[1] کی نص سے جُدا کی جاسکتی تھی لہٰذا یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ازواج کی حرمت نسبتِ رسول کی وجہ سے آئی جس کی بنا پر ان کے مقابل تمام اُمت مفضولی کے درجہ پر آگئی، اب کوئی بھی حتٰی کہ بعد از وصالِ نبیؐ بھی ان سے نکاح نہیں کر سکتا کہ اس سے ایک تو اللہ تعالیٰ کے قانونِ فضیلت کی تکذیب ہوتی ہے اور دوسرے عزت و شرف رسولؐ پر حرف آتا ہے۔ اب حضرات قارئین خوف خدا کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھیں کہ جب ازواج نبی صرف ازواج نبی ہونیکی وجہ سے اس قدر قابل تعظیم و تکریم ہیں تو بنات النبی ان سے زیادہ مستحق تعظیم و تکریم ہیں کہ نہیں؟ رسولؐ کی بیٹیاں نسبتِ دائمی بھی رکھتی ہیں اور شرفِ نسبی و خاندانی بھی، اس نسبت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جُدا بھی نہیں کیا جاسکتا ہے، ارشاد اللہ رب العزت ہے

ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ[2]

---

[1] سورہ تحریم ۵

[2] سورہ الاحزاب ۵

ان(اولاد) کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو کہ یہی اقسط ہے

دونوں مقامات پر ایک ہی علت یعنی عزت و فضیلتِ رسول ہے اگر ازواج میں اس کی حفاظت ضروری ہے کہ اس سے رسولؐ کو اذیت ہو گی تو بنات میں تو بدرجہ اتم ضروری ہے، چنانچہ یہ ثابت ہے کہ خُداوندِ عالم نے یہ حکم تعظیم و تکریم نبوی کے واسطے جاری فرمایا ہے کیونکہ ازواج نبی کا احترام و حرمت صرف ازواج نبی ہونے کی وجہ سے قائم ہے، اہل سنت کے ایک عالم حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث بیان کرتے ہیں **من** اھان اولادی فقد اھاننی و من اھاننی فقد اھان اللہ و من اھان اللہ فقد کفر[1] ۔جس نے میری اولاد کی اہانت کی اُس نے میری اہانت کی اور جس نے میری اہانت کی اس نے اللہ کی اہانت کی اور جس نے اللہ کی اہانت کی وہ کافر ہو گیا۔ لہٰذا افراد امت نبیؐ زادیوں پر حاکم کیسے بنائے جاسکتے ہیں کہ محکوم ہونا اہانت و ذلت میں داخل ہے۔رسول اللہ جیسے ولی کی موجودگی میں بیٹیوں کے رشتوں کا مفضول افراد میں جانے کا کوئی امکان ہی نہیں تھافَانكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ[2] ۔پس تم عورتوں سے ان کے اہل کی اجازت سے نکاح کرو۔ چنانچہ ایسی کوئی ایک بھی نظیر ہمیں تمام آئمہ اطہارؑ کی زندگی میں نہیں ملتی، مگر یہ امکان ازواج میں ضرور موجود تھا کہ بعد از رسولؐ انہوں نے اپنی قوم و قبیلہ میں لوٹ جانا تھا اور تاریخ شاہد ہے کہ بعض افراد کچھ ازواج کے ساتھ نکاح کا ارادہ بھی کیے ہوئے تھے، لہٰذا اس امکان کی نفی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ازواج کا ذکر اس آیہ مبارکہ میں کیا اور ناموس و عزتِ رسول کی علت کو مکمل طور پر واضح اور دائمی قرار دیا۔

ہو سکتا ہے کہ کسی شخص کے لیے مندرجہ بالا دلائل و بیان کافی نہ ہوں اگرچہ جو کچھ بیان ہو چکا وہ واضح کر رہا ہے کہ ہمارے استدلال کو قیاس سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس حکم کا بنات پر بھی لاگو ہونا ایک ضمنی صورت ہے کیونکہ علت و حرمت مشترک ہے بلکہ بنات میں تو بدرجہ اتم موجود ہے، بہرحال اس بات پر تو کسی کو شک نہیں کہ سیّدہ فاطمیّہ ایک فاضل اور شرف والے نسب

---

[1] مودۃ القربیٰ
[2] سورہ النساء ۲۵

سے تعلق رکھتی ہے اور اسے نصوصِ قرآنیہ سے ثابت کیا جا چکا ہے، یہ بھی واضح ہے کہ قرآن کی آیات دوسری آیات کی توضیح و تشریح بھی کرتی ہیں، ہم نے اپنے بیان میں آیہ مبارکہ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا میں حکم خدا کی علت، حرمت رسولؐ اور بسبب نکاح ازواجِ کا امت سے فاضل ہو جانا قرار دیا ہے، زیر نظر آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ اس حکم کو وَمَا كَانَ لَكُمْ أَن تُؤْذُوا رَسُولَ اللَّهِ کی وجہ یعنی رسول اللہ کو اذیت دینا قرار دیتا ہے جس کا تعلق ناموس رسالت سے ہے، چنانچہ اپنے اس استدلال پر ہم قرآن مجید سے ہی دلیل پیش کرتے ہیں تاکہ قیاس کہنے والوں کے پاس یہ گمان بھی نہ رہے

يَا بَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ[1]

اے بنی اسرائیل ان نعمتوں کو یاد کرو جو ہم نے تمہیں عنایت کی ہیں اور جن کے طفیل تمہیں عالمین سے بہتر بنادیا ہے

اللہ تعالیٰ اس آیت مجیدہ میں بتارہا ہے کہ بنی اسرائیل کو اُس نے عالمین پر ایک فاضل قوم بنایا پس اگر کوئی مفضول اس قوم کے افراد کو محکوم بنائے یا اس کے ناموس پر حملہ آور ہو تو یہ ظلم ہو گا اور بنی اسرائیل کے لیے اذیت کا باعث بھی ہو گا، قرآن اور تاریخ گواہ ہے کہ بنی اسرائیل کی جان اور ناموس پر فرعون اور اس کی قوم نے یلغار کی اور اللہ تعالیٰ نے اسے بدترین عذاب قرار دیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَقَالَ الْمَلأُ مِن قَوْمِ فِرْعَونَ أَتَذَرُ مُوسَى وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُواْ فِي الأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ قَالَ سَنُقَتِّلُ أَبْنَاءهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ[2]۔

---

[1] سورہ بقرہ ۱۲۲

[2] سورہ الاعراف ۱۲۷

اور فرعون کی قوم کے ایک گروہ نے کہا کہ کیا تو موسیٰ اور ان کی قوم کو یوں ہی چھوڑ دے گا کہ یہ زمین میں فساد برپا کریں اور تجھے اور تیرے خُداوں کو چھوڑ دیں۔ اس نے کہا کہ میں عنقریب ان کے لڑکوں کو قتل کرڈالوں گا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھوں گا۔ میں ان پر قوت اور غلبہ رکھتا ہوں۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ أَنجَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبْنَاءكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءكُمْ۔۔۔ الخ[1]

اور اس وقت کو یاد کرو جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تم لوگ اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دلائی جب کہ وہ بدترین عذاب میں مبتلا کر رہے تھے کہ تمہارے لڑکوں کو ذبح کر رہے تھے اور تمہاری لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے۔

قارئین کرام! علامہ ذیشان حیدر جوادی نے اپنے ترجمہ قرآن میں لڑکیوں کو زندہ رکھے جانے کی وجہ قوسین میں کنیزی لکھا ہے جس سے مراد فاضل خواتین کا مفضول افراد کے زیر تسلط آنا یا محکوم بنایا جانا ہے، اسی طرح صاحب تفسیر نمونہ نے بھی کنیزی ہی لکھا ہے۔ ان آیات میں چند نکات توجہ طلب ہیں تاکہ حق واضح ہو جائے۔

۱۔ بنی اسرائیل کو اللہ نے عالمین پر فاضل بنایا

۲۔ فرعون اور اس کی قوم ان سے مفضول تھی

۳۔ لفظ نساء میں بنی اسرائیل کی تمام اصناف خواتین شامل ہیں

۴۔ اللہ تعالی نے بدترین عذاب میں مبتلا کیا جانا بیان کیا ہے لہذا یہ بنی اسرائیل کے لیے اذیت ناک تھا

۵۔ اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کے ذبح کیے جانے اور عورتوں کے زندہ رکھے جانے کو ہم وزن بیان کیا ہے اور ان دونوں کے مجموعہ کو بدترین عذاب کہا ہے

کیا یہ تمام نکات مل کر آیہ مبارکہ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا میں ناموس رسالت کی علت پر دلالت نہیں کرتے؟ اگر صرف ازواج سے ہی نکاح کو رسولؐ اللہ کے لیے باعث اذیت مان لیا جائے

---

[1] سورہ ابراہیم ٦

تو بنات سے مندرجہ بالا آیہ مبارکہ کی روشنی میں نکاح کو باعث تکذیب ناموس رسالت کیوں نہ مانا جائے جب کہ بنی اسرائیل کی خواتین (جن میں اُن کی بیٹیاں بھی شامل ہیں) کے سات ایسے ہی عمل کو اللہ تعالیٰ قوم کے لیے باعث عذاب و اذیت قرار دیتا ہے۔ جب یہ عمل حضور اکرمؐ سے ایک مفضول قوم کے لیے عذاب ہے تو فخر انبیاء اور وجہ تخلیق کائنات کی بیٹیوں کے ساتھ کیوں کر جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟

آیہ مبارکہ وَقَالَ الْمَلأُ مِن قَوْمِ فِرْعَونَ کی تفسیر میں صاحبِ تفسیرِ نمونہ لکھتے ہیں

> فرعون نے اس مقام پر ایک گہری سیاست شروع کی اور ایک ایسا منصوبہ تیار کیا جس کی وجہ سے بنی اسرائیل کی قوت و قدرت ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے، وہ تدبیر یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے لڑکوں کو قتل کر کے ہمیشہ کے لئے مردوں کا خاتمہ کر دے تا کہ وہ کبھی اس سے مقابلہ نہ کر سکیں اور عورتوں اور لڑکیوں کو کنیزی اور خدمت کے لئے باقی رکھے، یہ ہر قدیم و جدید استعمار کا ایک زبردست طریقہ ہے۔۔۔۔مزید یہ احتمال موجود ہے کہ فرعون چاہتا تھا کہ بنی اسرائیل کی ہمت دو طرح سے ٹوٹ جائے ایک تو لڑکوں کا قتل، دوسرے ناموس کا خطرہ[1]۔

یقیناً یہ ہی بات تھی جسے صاحب تفسیر نمونہ نے احتمال لکھا ہے اور یہ آیہ مبارکہ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا میں موجود علت و خدشہ کی وضاحت کرتی ہے، لہٰذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموس کو خطرے سے دوچار کرنے کو ہم کیوں نہ ایک گہری سیاست اور قدیم و جدید استعمار کا ایک حربہ قرار دیں؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیوں کی فضیلت و حرمت سے انکار خُداوندِ عالم کے فیصلہ کے خلاف ہے اور فِسق کے مصداق ہے مَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّهُ فَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ[2]۔ جو بھی تنزیل خُدا کے مطابق فیصلہ نہ کرے گا وہ فاسقوں میں شمار ہو گا۔

[1] تفسیر نمونہ، جلد ۶، صفحہ ۲۶۸، ترجمہ مولانا سید صفدر حسین نجفی
[2] سورہ مائدہ ۴۷

پس یہ واضح ہے کہ فاطمیہ مستورات کی تعظیم و تکریم دائمی و ابدی ہے کوئی غیر فاطمی مرد ان کا کفو نہیں ہو سکتا کہ اس سے قانون فضیلت اور ناموس رسالت کی مخالفت لازم آتی ہے۔ یہ بات کیوں کر اذہانِ اُمت رسول عربی سے محو ہو گئی کہ جس طرح بنی اسرائیل کی بیٹیوں کا نجات دہندہ اللہ تعالٰی نے حضرت موسیٰؑ کی شکل میں بھیجا اسی طرح بناتِ رسولﷺ کا ایک نجات دہندہ پردہ غیبت میں موجود ہے جو اپنے رب کے حکم کا منتظر ہے اور ہم اس کے منتظر ہیں ،**العجل یا امام العجل!**

یاد رکھیں کہ فاضل النسب مستورات کی حرمت کی پامالی کا آغاز قوم فرعون نے کیا اور یہ خطرہ اولادِ رسولﷺ کو میدان کربلا میں بھی در پیش تھا مگر حکمتِ امام حسین نے ظالمین کی پیش نہیں چلنے دی، استغاثہ امام کے پہلے جملے تو سب ہی کو یاد ہیں لیکن جو وجہ ٔ استغاثہ تھی اسے ہی فراموش کر دیا گیا ہے، اپنے استغاثہ میں حضرت امام حسینؑ اپنے شہید رفقا کو میدان کربلا میں پکارتے ہوئے فرماتے ہیں

یہ حرم رسول اللہ تمہارے بعد کمزور و لاچار ہو گئے ہیں، اے غیرت مندو! اُٹھو اور ان سرکشوں کو حرم رسول خُدا سے دور کرو[1]۔

علامہ محمد باقر مجلسی لکھتے ہیں

جب اولاد و اقرباء بھی شہادت پر فائز ہو چکے اور بجز امام مظلوم کوئی باقی نہ رہا اس وقت حضرت امام حسینؑ نے اتمام حجت کرنے کے لئے بصدائے بلند فرمایا: ہل من ذاب یذبّ عن حرم رسول اللہ؟ ہل من موحّد یخاف اللہ فینا؟ ہل من مغیث یرجو اللہ فی اغا ثتنا؟ یعنی اب کوئی ہے کہ ضرر اشقیاء کو حرم رسول اللہ کے پاس سے دفع کرے آیا کوئی حق پرست ہے جو ہمارے حق میں خوف خُدا کرے آیا کوئی ہے جو بامّید اجر و ثواب ہماری فریاد رسی کرے؟[2]

---

[1] مقتل ابی مخنف و قیام مختار، ص ۹۲، ترجمہ ترجمہ سید تبشر الرضا کاظمی، اسلام آباد
[2] بحار الانوار، جلد دہم، حصّہ دوم، ص ۴۶

مجھے حیرت ہوتی ہے کہ مودتِ اہل بیت کا دم بھرنے والے شہزادہ قاسم بن حسن المجتبیٰ علیہ السلام کے غم میں جلوسِ مہندی نکالتے اور سینہ کوبی کرتے ہیں مگر پھر بھی قائلینِ جواز کی صف میں کھڑے نظر آتے ہیں کبھی اُنھوں نے غور کیا کہ شبِ عاشور کو شادی یا نکاح کا کیا ماحول و جواز تھا جب کہ ہر طرف سے دشمنانِ آلِ رسول حرمِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھیرے کھڑے تھے،؟ تاریخ عاشور ہمیں بتاتی ہے کہ اس رات مولا حسین علیہ السلام نے ایک یا ایک سے زیادہ شہزادوں اور شہزادیوں کے نکاح کیے تھے، شادی و نکاح کا تصور تو آرام و خوشی کے ماحول سے ہے، آخر امام علیہ السلام کے اس عمل کے میں کیا حکمت و علت تھی؟ امام علیہ السلام نے اسی حکمت و واضح کرنے اور حجت تمام کرنے کے لیے عصر عاشور کو استغاثہ بلند کیا تھا،وہ عربوں کی انتقام و بربیت کی روش سے بخوبی واقف تھے، وہ جانتے تھے کہ ان ریگزاروں میں بسنے والے جاہل عرب مفتوحین کی اُن عورتوں کو کنیزیں بناتے ہیں جو غیر منکوحہ ہوتی ہیں، میرا مظلوم امام اس شب کو بھی آگے پیش آنے والے حالات میں حرم رسولؐ کے تقدس کو بچانے کے لیے پیش بندی کرتے ہوئے نکاح پڑھ رہا تھا، اس حقیقت کا انکشاف اُس وقت ہو جب ایک غلیظ شامی نے کم سن بی بی سکینہ سلام اللہ علیہا کو غیر منکوحہ جانتے ہوئے یزید لعین سے کنیزی کے لیے مانگا، بی بی زینب سلام اللہ علیہا تڑپ اُٹھیں اور پکار کر یزید لعین سے مخاطب ہوئیں کہ اے یزید! تو ایسا ہرگز نہیں کر سکتا جب تک کہ تو اپنے کفر کا اعلان نہ کر دے، شریکتہ الحسین علیہ السلام کی یہ دہائی اب کیوں نہیں غم حسین علیہ السلام کے دعوے داروں کے کانوں سے ٹکراتی؟

باب چہارم
مفاخرت نسبی

کچھ احباب یہ سمجھتے ہیں کہ جو سادات اس نکاح مذکور کی مخالفت کرتے ہیں وہ در حقیقت فخر و تکبر اور مفاخرت نسبی میں مبتلا ہیں، ایسے احباب سے گزارش ہے کہ ہم تو ہر نسب اور ہر قبیلہ کو معزز و محترم جانتے ہیں کیونکہ یہ تخلیقِ خُدا ہے قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ کہتا ہے

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا۔
انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تم میں شاخیں اور قبیلے قرار دئے ہیں تا کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو[1]۔

نسلیں اور قبیلے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی پہچان کے لیے بنائے ہیں جیسا کہ آیہ مبارکہ سے واضح ہے، آخر اس پہچان میں حکیم مطلق نے راز و حکمت پوشیدہ رکھا ہے جسے سمجھا جانا فرض ہے کیونکہ بغیر علم پہچان قائم نہیں رہ سکتی، یہ آیہ مبارکہ نصِ قرآنی ہے جو کہ نسلوں اور قبیلوں اور ان کے امتیازات کے قائم رہنے پر منشاء ربانی کی دلالت کرتی ہے، اور یہ اُس وقت تک ہی قائم رہ سکتے ہیں جب شادی و نکاح میں کفوٗ اور قبیلے کا التزام رکھا جائے، ان نسلوں و قبیلوں میں کسی فرد کی پیدائش کسبی یا اختیاری نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی منشاء ہے، اب جس نسل و قبیلہ کے پاس جو سرمایہ افتخار ہے وہی اُس کے افراد کی پہچان اور امتیاز ہے چنانچہ اپنی پہچان کو بیان کرنا تکبر و غرور میں نہیں آتا، اگر ایسا ہوتا تو امام معصوم میدان کربلا میں یہ نہ کہتے

انا ابن علی المطهر من آل هاشم کفانی بهذا مفحراً حین افخر۔ وجدی رسول اللہ اکرم من شئ۔ میں پاکیزہ علی علیہ السلام کا بیٹا ہوں جو آلِ ہاشم میں سے ہیں میرے لئے یہ

[1] سورہ الحجرات ۱۳

فخر کافی ہے جب بھی میں فخر کروں اور میرے نانا رسول اللہ جو تمام لوگوں میں سے مکرم و محترم ہیں [1]۔

آج اگر کوئی سیّد فاطمی یہ کہتا ہے تو کیا غلط کرتا ہے اور نہ ہی اس سے کسی دوسری نسل و قبیلے کی تزلیل مقصود ہوتی ہے، چنانچہ امام سجادؑ نے یزید کے دربار میں اپنے خطبہ میں اس طرح کہا کہ

ہمارے اسباب فضیلت یہ ہیں کہ رسول مختارؐ ہمیں میں سے ہیں۔ صدیق (علیؑ)، طیار (جعفر)، اسد اللہ (حمزہ)، سیدۃ نساء العالمین (فاطمہؑ)، سبطینِ امت و سید اشباب اہل الجنتہ (حسنینؑ) ہمارے ہی بزرگ ہیں۔ جس نے مجھے پہچان لیا اس نے پہچان لیا اور جس نے نہیں پہچانا اس سے اپنا تعارف کرا رہا ہوں۔۔۔اور تمام قریش میں سب سے زیادہ بلند تر انسان کا وارث ہوں [2]۔

نسل آدم میں یہ ہی وہ واحد سلسلہ نسب ہے کہ جس کے افراد نے کبھی بھی کسی غیر اللہ کے آگے اپنے سر کو نہیں جھکایا، کیا دین کی یہ بڑی فضیلت کسی اور سلسلہ نسب کے پاس ہے؟ اب اگر کوئی سیّد فاطمی اپنی نسلی تطہیر کو ورثہ اجداد، حکمِ قرآن اور عملِ معصومینؑ جانتے ہوئے قائم رکھنا چاہتا ہے تو کیا جرم کرتا ہے، اُسے اپنے نسلی شرف کی حفاظت کرنے کا مکمل اختیار ہے، علامہ مجلسی علیہ الرحمہ مناقب ابن شہر آشوب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ

ایک خارجی حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں پہونچا اور کہنے لگا، میں آپؑ کے پاس شادی کا پیغام دینے آیا ہوں۔ آپؑ نے فرمایا، سنو تم اپنے دین اور اپنے حسب کے اعتبار سے اپنی نسب کے کفو ہو، مگر اللہ تعالیٰ نے صدقات سے جو لوگوں کے ہاتھوں کا میل اور گندگی ہے اس سے ہمیں بچا لیا ہے اور ہمیں یہ پسند نہیں ہے کہ جو شرف اللہ نے بخشا ہے اس میں ہم کسی ایسے کو شریک کریں جسے اللہ نے ہمارے جیسا شرف نہیں دیا ہے [3]۔

---

[1] نفس المہوم، ص ۴۸۸، مولف شیخ عباس قمی، مترجم سید صفدر حسین نجفی۔
[2] نقوش عصمت، ص ۳۷۸، علامہ ذیشان حیدر جوادی،
[3] بحار الانوار، جلد ہشتم، ص ۲۴۴، ترجمہ مولانا سید حسن امداد، کراچی

اس واضح بیان کے بعد معترضین اپنے اعتراض کو خود جانچ لیں ہمارا تبصرہ باعث طوالت ہو گا۔

ایک حیرت ناک اعتراض خواتین کی طرف سے بھی سننے کو ملا، کہا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبۂ غدیر خم میں فرمایا ہے کہ کسی گورے کو کالے پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے، چنانچہ سب برابر ہیں، سیّد تو بے جا فخر و تکبر کا شکار ہیں۔ اس استدلال اور اعتراض کرنے والی خاتون پر کیا بحث کی جائے مگر میں اتنا ضرور کہوں گا کہ قرآن و حدیث اور عقلی دلائل کی موجودگی میں اتنی بے رحمانہ روش کو اختیار نہیں کیا جانا چاہیئے کہ دین ہی منہدم ہو جائے۔ سوال یہ ہے کہ کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کو یا اپنی ذریّت کو اس حکم میں شامل کیا ہے؟ اگر جواب نہیں میں ہے تو معاملہ صاف ہے، اگر جواب اثبات میں ہے تو پہلے اپنے دین اور عقیدہ کی خبر لیجئے کہ ذریّت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں معصوم و غیر معصوم دونوں شامل ہیں اور اُنہیں اپنے جیسا سمجھنا کفر اور وہابیت تو ہو سکتی ہے اسلام و شیعت نہیں۔

مولانا نجم الحسن کراروی مختلف کتب کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ حضرت رسُول کریمؐ فرماتے ہیں کہ قیامت میں میرے سلسلہ نسب کے علاوہ سارے سلسلے ٹوٹ جائیں گے اور کسی کا رشتہ کسی کے کام نہ آئے گا۔ علامہ حسین واعظ کاشفی لکھتے ہیں کہ تمام انبیا کی اولاد ہمیشہ قابل تعظیم سمجھی جاتی رہی ہے، ہمارے نبی اس سلسلہ میں سب سے زیادہ حقدار ہیں۔ علامہ جلال الدین (غالباً سیوطی) فرماتے ہیں کہ حضرات حسنینؑ کی اولاد کے لیے سیادت مخصوص ہے، مرد ہو یا عورت جو بھی ان کی نسل سے ہے وہ قیامت تک سیّد رہے گا، ویجبب علی اجمع الخلق تعظیمھم ابداً اور ساری کائنات پر واجب ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ ان کی تعظیم کرتی رہے[1]۔

قول رسول خُدا ہے کہ

---

[1] جودہ ستارے، ص ۸۹، مولانا نجم الحسن کراروی

من اهان اولادی فقد اهاننی و من اهانتی فقد اهان اللّٰہ و من اهان اللّٰہ فقد کفر [1]

جس نے میری اولاد کی اہانت کی اس نے میری اہانت کی جس نے میری اہانت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اہانت کی جس نے اللہ کی اہانت کی وہ کافر ہو گیا

لا یحل لاحد ان یقوم من مجلسه لاحد الا هلبیتی [2]

سوائے میرے اہل بیت کی تعظیم و تکریم کے کسی شخص کو اور کسی کی تعظیم و تکریم کے لئے اپنی جگہ سے کھڑا ہونا حلال نہیں ہے

من اذا اولادی لا یقبل اللّٰہ صلوٰته ولا صومه ولا زکوٰته ولا حجه فان مات مات منافقاً [3]

جس نے میری اولاد کو ایذادی دُکھ دیا اللہ تعالیٰ اس کی نماز و روزہ اور زکوۃ اور حج کو قبول نہ فرمائیگا پس تحقیق وہ منافق کی موت مریگا

قال النبی ﷺ ان اولادی کالکتب العزیز الصالحین کالایات المحکمات والطالحین کالایات المنسوخات [4]

حضرت رسول خُدا ﷺ نے فرمایا بے شک میری اولاد کتاب عزیز کی مانند ہے جو نیک اور صالح ہیں وہ تو آیات محکمات کی مانند ہیں اور جن کے اعمال اچھے نہیں یعنی وہ آیات منسوخات کی مانند ہیں

(نوٹ: آیات منسوخہ پر عمل نہیں کیا جا سکتا لیکن کیا ان کی بے حرمتی کی جا سکتی ہے؟)

میری نیک اولاد کا اکرام و عزت خُدا کے لئے کرو اور میری گناہگار اولاد کا اکرام و عزت میری اولاد جان کر کرو [5]

حضرت امیر المومنین علیہ السلام حضور اکرم ﷺ کی ایک حدیث بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں

---

[1] مودۃ القربی۔ سید علی ہمدانی

[2] بحار الانوار ثامن

[3] مودۃ القربیٰ و صواعق المحرقه

[4] فضل السادات۔ میر باقر داماد قبله اعلی اللّٰہ مقام۔ مطبوعه تہران

[5] جامع الاخبار ص ۲۴

قال علی علیہ السلام نشد تکم با للہ ھل سمعتم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ یقول : " كل سبب ونسب منقطع يوم القيامة إلا سببي ونسبي "[1]۔ حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام نے اصحاب رسول سے خطاب کر کے فرمایا میں تم کو خُدا کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا تم نے رسول خُدا ﷺ سے سُنا ہے جبکہ آپ نے فرمایا تھا کہ بروز قیامت تمام حسب و نسب قطع ہو جا ہیں گے سوائے میرے حسب و نسب کے۔

[1] بحار الانوار۔ باب الشوریٰ والاحتجاج علی القوم

باب پنجم
ثانی زہراؑ کی شادی

ہمارے موقف پر ایک بہت بڑا اعتراض حضرت زینب سلام اللہ علیہا اور حضرت عبد اللہ بن جعفر کے نکاح کو جواز بنا کر کیا جاتا ہے اور اسی بنیاد پر بہت سے افراد سیّد زادی فاطمیہ کی مناکحت کو غیر اولادِ رسولؐ سے جائز قرار دیتے ہیں۔ کج فہمی اور جسارتوں کا یہ انداز دیکھ کر ماتم کرنے کو دل کرتا ہے کہ کس قدر فکری دیوالیہ پن اور کوتاہ نظری کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، اس دیوالیہ پن کے آغاز کا بیج نفس انسانی پر غلبۂ شیطان ہے جو ذوات مقدسہ کو اپنے نفسوں پر قیاس کرنے کی ترغیب دلاتا ہے، جس اُمت نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے جیسا ثابت کرنے میں کوئی کسر نہ چھوڑی وہ اولادِ رسولؐ کی فضیلت کو کیسے مان سکتی ہے، یہ ہی فکر محبان اہل بیت کے اندر بھی چیونٹی کی رفتار سے در آئی ہے، افسوس تو یہ ہے کہ عوام الناس کے ساتھ علماء بھی اس خرابہ عصری میں بہہ چلے ہیں۔

اس مسئلہ کو سمجھنے کے لیے چند قوانین کو سمجھنے کی ضروری ہے کہ جن پر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تخلیق کی بنیاد رکھی ہے اگرچہ اوپر بیان کر دیا گیا ہے۔ بحیثیت مسلمان یہ سب جانتے ہیں کہ اللہ کی سنت تبدیل نہیں ہوتی، ان میں سب سے نمایاں اصولِ فطرت ہے جو عدل پر استوار ہے۔ اس عدل کا تقاضا ہے کہ ہر چیز اُس طرح خلق ہو جیسا کہ اُس کے خلق کیے جانے کا حق ہے، چنانچہ کچھ مخلوق اس لائق تھی کہ اُس کو خصوصی فضیلتیں عطا کی جائیں اور کچھ ان کی حق دار نہ تھی، تخلیق کے اس تقاضے کی تکمیل اللہ کے قانونِ فضیلت کے تحت ہوئی اور موالید ثلاثہ یعنی جمادات، نباتات اور حیوانات دو بڑی قسموں میں بٹ گئے، اللہ تعالیٰ نے ایک کو اپنے امر خاص میں رکھا اور دوسری کو امر عام میں، ان دونوں قسموں میں اسی قانون فضیلت کے تحت عمومی اور خصوصی فضیلتوں کا اجراء ہوا، ہماری بحث کا تعلق چونکہ عالم بشریت میں انسان سے ہے اس لیے ہم صرف اسی پر اکتفا کرتے ہیں، ارشاد باری

تعالیٰ ہے وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ[1] ۔اور بعض کے درجات کو بعض سے بلند کیا، مثال اس کی یوں ہے کہ ایک عام شخص اور حضرت موسیٰؑ دو بشر ہیں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ کو منتخب کیا اور اُن پر وحی نازل کی قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ[2] ۔آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارے ہی جیسا ایک بشر ہوں مگر میری طرف وحی آتی ہے۔ وحی کے نزول کے ساتھ ہی بشریت میں دو الگ الگ نوعیں وجود میں آ گئیں جن کو ایک جیسا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ارشادِ خُداوندِ عالم ہے فَقَالَ الْمَلأُ الَّذِينَ كَفَرُواْ مِن قِوْمِهِ مَا نَرَاكَ إِلاَّ بَشَرًا مِّثْلَنَا[3] ۔تو ان کی قوم کے برے لوگ جنہوں نے کفر اختیار کر لیا تھا ،اُنھوں نے کہا کہ ہم تو تم کو اپنا ہی جیسا ایک انسان سمجھ رہے ہیں۔ اس آیہ مبارکہ سے واضح ہے کہ کافر انبیاء کو اپنے جیسا بشر ہی جان کر ان کی نبوت سے انکار کرتے تھے اور ان کے دلوں میں یہ خیال انبیاء کو اپنا ہم جنس ماننے سے ہی پیدا ہوا تھا۔ یہ ہی اعتراض رسول اکرام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بھی کیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے کہا قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَى إِلَيَّ[4] ۔آپ کہہ دیجئے کہ میں تمہارا ہی جیسا ایک بشر ہوں مگر میری طرف وحی آتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مختلف کرامتیں اور فضیلتیں عطا کی ہیں جنہوں نے منتخب افراد کو اپنی قدر کے لحاظ سے درجات عطا کیے ہیں۔ اب قدرت میں ایک تیسرا قانون یا اصول کارفرما نظر آتا ہے اور وہ یہ کہ ہر ادنیٰ اپنے سے اعلیٰ پر قربان ہو جاتا ہے۔ جیسے زمین اپنے اجزاء کو نباتات پر قربان کر کے اُس کی پرورش کرتی ہے، نباتات اپنا آپ حیوانات پر قربان کرتے ہیں اور حیوانات انسان کے استعمال میں آ کر خود کو قربان کرتے ہیں، چنانچہ ادنیٰ کا اعلیٰ پر فدا ہو جانا عین فطرت ہے جو کہ مبنی بر عدل ہے وَلاَ تُظْلَمُونَ فَتِيلاً[5] ۔اور تم پر دھاگہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ چنانچہ عدل ہی سنتِ الٰہیہ ہے جو تبدیل نہیں ہوتی۔

---

[1] سورہ الانعام ۱۶۵

[2] سورہ الکہف ۱۱۰

[3] سورہ ہود ۱۱

[4] سورہ الکہف ۱۱۰

[5] سورہ النساء ۷۷

اب اس مختصر تمہیدی گفتگو کے تناظر میں یہ دیکھیں کہ کفوٴ کی کیا ضرورت و اہمیت ہے، کفوٴ بنیادی طور پر ایک معیار ہے جسے نکاح کے لیے شرط قرار دیا گیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے قانونِ فضیلت کے مطابق فاضل النسب و مرتبہ خواتین کی حرمت و ناموس کو مفضولین کی دسترس سے بچاتا ہے کیونکہ عدلِ خدا کے مطابق فاضل کو مفضول کے تصرف میں دینا ظلم ہے اور سنت الٰہیہ تبدیل نہیں ہوتی، حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے جدامجد جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اپنی بیٹی اپنے ہم کفؤ اور اپنے مثل کو دو[1]۔ ایک دوسری حدیث ہے اذاجاء کم الاکفاء فانکحوھن[2]۔ جب تمھارے پاس کفو آئیں تو لڑکیاں بیاہ دو۔ یہ وہ گراں قدر معیار ہے کہ جس کے لیے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے نظام تخلیق میں تبدیلی کرنا گوارہ کیا مگر اپنے قانون فضیلت پر کوئی حرف نہ آنے دیا کہ یہی اقسط تھا، یہ واضح رہے کہ تخلیق ایک عمل ہے جس کو ایک نظام کے تحت رکھا گیا ہے، یہ نظام فطرت اور اللہ کے قانون فضیلت کے ماتحت ہے اور ان دونوں پر عدلِ خدا محیط ہے۔ چنانچہ جب ہم حضرت مریم سلام اللہ علیہا کے معاملہ پر نظر کرتے ہیں تو ہمیں متذکرہ بالا تمام شواہد ملتے ہیں۔ حضرت مریم سلام اللہ علیہا اللہ تعالیٰ کی ایک زاہدہ، عابدہ، عذرا اور معصوم کنیز تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس فاضل و باعظمت مستور کا کوئی کفوٴ یا ہمسر پیدا نہیں کیا لیکن اُس کی مشیت میں ان کا مادرِ عیسیٰؑ ہونا مقصود تھا۔

نظامِ تخلیق میں اللہ تعالیٰ نے نسل آدمؑ کو ایک باپ اور ماں کے تحت رکھا اور قرآن مجید میں آواز دی کہ یَا أَیُّھَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاکُم مِّن ذَکَرٍ وَأُنثَی[3]۔ اے انسانو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا۔ اس نظام کے اگلے مرحلہ میں ذریّت آدم کو مرد کی پشت میں رکھا جس کی شہادت قرآن میں اس طرح دی گئی ہے

---

[1] تہذیب السلام، ص ۱۲۳، علامہ باقر مجلسی، ترجمہ مولانا سید مقبول احمد، لاہور
[2] کنز العمال، حدیث ۴۴۹۳، موسسۃ الرسالہ بیروت
[3] سورہ الحجرات ۱۳

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَى أَنفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَى شَهِدْنَا أَن تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غَافِلِينَ [1]

اور جب تمہارے پروردگار نے فرزندان آدم کی پشتوں سے انکی ذرّیّت کو لے کر اُنہیں خود ان کے اوپر گواہ بناکر سوال کیا کہ کیا میں تمھارا خُدا نہیں ہوں تو سب نے کہا بیشک ہم اس کے گواہ ہیں، یہ عہد اس لیے لیا کہ روز قیامت یہ نہ کہہ سکو کہ ہم اس عہد سے غافل تھے

لیکن اب معاملہ تھا ایک فاضل مستور کا کہ جس کا کوئی کفوٗ پیدا ہی نہیں کیا گیا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فطرت اور عدل کے عین مطابق تخلیق کے ایک امر عام کو اپنے امر خاص پر قربان کیا اور بغیر باپ حضرت عیسیٰؑ کو حضرت مریمؑ سے پیدا کیا، اُس نے حضرت مریمؑ کا کسی مفضول مرد کے نکاح میں جانا گوارہ نہ کیا کہ یہ ظلم ہوتا اور اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہو سکتا۔

اسی طرح محبان اہل بیت علیہم السلام کا یہ اعتقاد و یقین ہے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ اور اہل بیت اطہارؑ کو جو فضیلتیں عطا کی ہیں مخلوق میں اُن کا کوئی بھی بشمولِ حضرت مریم ہمسر نہیں ہو سکتا، یہ ذوات مقدسہ تمام عالمین سے فاضل اور عصمت کبریٰ کی حامل ہیں، یہ ہی ہیں جو ذات باری تعالیٰ کے حجابات ہیں اور مظہر صفاتِ خدا ہیں، چنانچہ سیّدہ کونین حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کا کفوٗ بھی سوائے جناب امیر علیہ السلام کے کوئی نہ تھا کیونکہ جناب سیدّہ سلام اللہ علیہا اپنے بابا اور علی علیہ السلام کے سوا تمام افراد سے اعلیٰ و افضل تھیں اور فاضل کو مفضول کے تصرف میں دینا ظلم ہے۔ مشہور و معروف حدیث ہے کہ

لولا ان اللہ لفاطمہ علیاً فما لھا کفؤً علی وجہ الارض لولا خلق اللہ علیاً لفاطمۃ فما کان لھا کفؤً علی وجہ الارض۔ اگر خُداوندِ عالم فاطمہ کے لئے علی علیہ السلام کو خلق نہ کرتا تو روئے زمین پر ان کا کوئی کفوٗ نہ ہوتا۔

---

[1] سورہ الاعراف ۱۷۲

اللہ تعالیٰ نے یہاں پر بھی اپنے قانونِ فضیلت کو مقدم رکھا باوجود اس کے کہ کفؤ میسر تھا قیامت تک آنے والی ذرّیّتِ رسول ﷺ کو باوجوہ جناب سیّدہ کونین سلام اللہ علیہا سے جاری کیا کہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا مقصودِ کائنات تھیں، اس اصول کا اطلاق اُس نے باقی اولادِ آدم میں نہیں رکھا۔

اعلیٰ و جامع الصفات مستورات کے سلسلہ کی تیسری رکن جناب زینب سلام اللہ علیہا تھیں جن کا ظہور بھی دیگر اولادِ معصومہؑ کی طرح اللہ کے پاک گھر یعنی مسجدِ نبوی میں ہوا، اللہ تعالیٰ نے انہیں عالمہ غیر معلمہ بنایا اور صبر و استقامت کی اُس منزل پر کھڑا کیا جہاں بڑے بڑے انبیاء کے قدم بھی لڑکھڑا گئے، اسی بی بی نے شریکتہ الحسین بننا تھا، اپنی اولاد کو اللہ کے ہادی برحق کی لبیک پر قربان کرنا تھا اور اپنی ردا کو قیامت تک ظلم و بربریت و بے غیرتی کے منہ پر طمانچہ بنانا تھا۔ عظمتِ جناب زینب سلام اللہ علیہا کا جائزہ لیجیے کہ ان مستور کا نام تک اللہ تعالیٰ نے خود رکھا، روایت کے الفاظ ہیں

فهبط جبرائيل يقرأ على النبي (ص) السلام من الله الجليل وقال له: سم هذه المولودة (زينب) فقد اختار الله لها هذا الاسم، ثم أخبره بما يجري عليها من المصائب، فبكى النبي (ص) وقال: من بكى على مصاب هذه البنت كان كمن بكى على أخويها الحسن والحسين (ع)۔حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر رسول اللہ کو رب جلیل کا سلام پہنچایا اور اس طرح بولے کہ اس مولودہ (بچی) کا نام (زینب) اللہ تعالیٰ نے رکھا ہے، پھر خبر دی کہ اس پر کیا مصائب آئیں گے، نبیؐ نے گریہ کیا اور کہا کہ اپنے بھائیوں حسنؑ اور حسینؑ پر رونے والی میری اس بیٹی پر کون روئے گا۔

اسی طرح کی ایک دوسری روایت ہے کہ

حضرت علی علیہ السلام آپ (رسول اللہ) کی خدمت اقدس میں گئے اور عرض کیا: یا رسول اللہ! خُدا نے فاطمہ علیہا السلام کو بیٹی عنایت کی ہے آپ اس کا نام معین فرمائیں۔رسول اکرمؐ نے ارشاد فرمایا: فاطمہؑ کے بچے میرے بچے ہیں، لیکن ان کا اختیار خُدا کے ہاتھ میں ہے میں انتظار کروں گا یہاں تک کہ خُدا اس مولود کا نام معین کرے۔اس وقت جبرائیل نازل ہوئے اور کہا: خدا نے آپ کو سلام

کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اس بچی کا نام زینب علیہا السلام رکھو کیونکہ ہم نے یہ نام لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے [1]۔

علامہ ابو القاسم الدیباجی کہتے ہیں کہ جناب زینب سلام اللہ علیہا کی شان اس قدر بلند ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے نام کے لیے خدا کی وحی کا انتظار کیا، آپ کا نام زینب سلام اللہ علیہا لوح محفوظ میں درج ہے جو ملکوتی مقامات میں سب سے اعلیٰ مقام ہے، جیسے حسن علیہ السلام اور امام حسین علیہ السلام کے اسمائے گرامی خدا کے عرش کی زینت ہیں

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا مبارک نام بھی لوح محفوظ کی زینت ہے اس طرح ہم یہ نتیجہ حاصل کر سکتے ہیں کہ یہ نو مولود ظاہر و باطن میں بہت سے کمال و جمال کا حامل تھا، جیسا کہ خدا کی جانب سے اس کا نام رکھا جانا اس مولود کی عظیم شخصیت اور معنوی مقام کو بیان کرتا ہے۔

اس عالمۂ غیر معلمہ، عقیلۂ بنی ہاشم اور شریکۃ الحسینؑ کے فضائل پر تو علماء نے انگنت کتابیں تحریر کی ہیں، قارئین اچھی طرح ان سے واقف ہیں یہاں تو صرف اشارہ مقصود ہے، تو پھر ایسی ہستی کا نکاح کسی مفضول شخص سے کیسے اور کس طرح اللہ تعالیٰ کو گوارہ ہو سکتا ہے؟ قول رسول ہے کہ فاطمہ علیہا السلام کے بچے میرے بچے ہیں، لیکن ان کا اختیار خُدا کے ہاتھ میں ہے تو اب جناب زینب سلام اللہ علیہا کے نکاح کے لیے کفوٗ کا انتظام اللہ تعالیٰ کو ہی کرنا تھا اور وہ ظالم نہیں ہو سکتا، اگر جناب ثانی زہراؑ کے شوہر نامدار کو مفضول مان لیا جائے تو نہ اللہ تعالیٰ عادل رہتا ہے اور نہ ہی اسے حکیم مطلق مانا جا سکتا ہے، ایسی صورت میں علماء کے اس اصول کو بھی کہاں لے جائیں گے کہ الظلم وضع الشئ علٰی غیر محلہ یا فی غیر محلہ۔ چنانچہ جناب زینب سلام اللہ علیہا کی فضیلت و عظمت کم از کم ایک ہم مرتبہ یا دوسرے لفظوں میں ہم کفوٗ زوج کا تقاضا کرتی ہے کیونکہ یہ ہی دین فطرت کا تقاضا ہے، یاد رکھیں کہ یہاں لفظ سیّد کی بحث نہیں اور نہ ہی تاریخ میں یہ لفظ صرف اولادِ فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا

[1] مسافرہ شام، ص ۲۲، مصنف علامہ سید ابو القاسم الدیباجی، مترجم: کوثر عباس سیال، لاہور

کے ساتھ اس طرح مخصوص رہا ہے جس طرح کہ آج کے زمانہ میں ہے، ہمارا اصرار تو یہ ہے کہ نکاح کے لیے کفوٴ بنیادی شرط ہے اور ایک فاضل مستور کا کفوٴ کوئی مفضول شخص نہیں ہو سکتا۔ اس بات کا التزام جنابِ رسول خُدا اور امیر المومنین علیہ السلام نے رکھا، تاریخ شاہد ہے کہ بہت سارے روٴسا بی بی علیہا السلام کے ساتھ نکاح کے خواہشمند تھے اور جب قبیلہ کندہ کے ایک رئیس اشعث بن قیس جو کہ ابو بکر کا بہنوئی بھی تھا نے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کا رشتہ مانگنے کی جرات کی تو امیر علیہ السلام غضب ناک ہو گئے، انہوں نے بڑی سختی سے اشعث کو کہا کہ تجھ میں جرات کہاں سے آئی کہ تو مجھ سے زینب سلام اللہ علیہا کا رشتہ مانگتا ہے؟ جناب امیر علیہ السلام کے الفاظ حقیقت کو عیاں کر رہے ہیں

> زینب سلام اللہ علیہا خدیجہ علیہا السلام سے مشابہت رکھتی ہے اور عصمت کے دامن میں پلی ہے، اس نے آغوش عصمت میں دودھ پیا ہے تو اس کی ہمسری کی لیاقت نہیں رکھتا، اس خدا کی قسم جس کی قبضہ قدرت میں علی علیہ السلام کی جان ہے اگر دوبارہ تو نے یہ بات کہی تو تیرا جواب تلوار سے دوں گا، تیری اوقات کیا ہے کہ تو زہرا علیہا السلام کی یادگار کا ہمسر اور ہمکلام ہو[1]۔

خُداوندِ عالم نے حضرت زینب سلام اللہ علیہا کے لیے کیا انتظام کیا تھا؟ آیئے اس کا جائزہ لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا انتظام کہاں سے شروع ہوتا ہے اس کا عندیہ یہ آیت قرآنیہ دیتی ہے إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ۔ اللہ نے آدم، نوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو منتخب کر لیا ہے۔ پورے عالمین پر ان کی فضیلت بلاوجہ نہیں تھی بلکہ اُس نور کی بدولت تھی جس نے ان نسلوں کے پاک و مطاہر اصلاب سے گزرنا تھا اسی لیے آواز دی کہ انہیں جُدا جُدا نسلیں نہ سمجھنا ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِن بَعْضٍ یہ ایک نسل ہے جس میں ایک کا سلسلہ ایک سے ہے۔ جس کو جہاں اور جس طرح پیدا کرنا ہے اسے ویسے ہی ہونا ہے، جب یہ نور بنی عبد المطلب میں ظاہر ہوا تو یہ باور کرایا کہ یہ وہ مصطفےٰ ہے جو مجھ تک پہنچنے کا وسیلہ ہے اور یہ اپنی خواہش سے کلام بھی نہیں

[1] مسافرہ شام، ص ۲۳

کرتا، اس کے کلام کو میرا کلام سمجھنا وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ۔ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ [1]۔اور وہ اپنی خواہش سے کلام بھی نہیں کرتا ہے۔ اس کا کلام وحی ہے جو مسلسل نازل ہوتی رہتی ہے۔ اور خبردار اس کی برابری کا تصور بھی نہیں کرنا اور ہاں اس کے سامنے اپنی آواز کو بھی بلند نہ کرنا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ [2]۔ اور بھولے سے بھی کبھی خود کو اس جیسا نہ سمجھنا کیونکہ یہ وہ ہے کہ جہاں سے گزرے اُس مقام کو شرف و فضیلت بخشتا ہے، جس سے کلام کرتا ہے اسے شرف و فضیلت بخشتا ہے، جس کے سر پر ہاتھ رکھ دے وہ شرف و فضیلت والا قرار پاتا ہے، جو اس کی ذریت میں آئے وہ شرف و فضیلت والا ہوتا ہے حتیٰ کہ جو اس کے گھر میں داخل ہو جائے وہ بھی دائمی شرف و فضیلت سے منسلک ہو جاتا ہے اور حکم آتا ہے کہ وَلَا أَن تَنكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِن بَعْدِهِ أَبَدًا۔اور کبھی بھی ان کی ازواج سے نکاح نہ کرو۔جب یہی مصطفٰے یہ کہے تو کس کی جرات ہے کہ اعتراض کرے

ثم جعلهم بيوتا فجعلني في خير بيت، ثم اختار من أهل بيتي أنا وعليا وجعفر فجعلني خيرهم ۔ پھر ان کے گھرانے بنائے تو مجھے ان میں سے بہتر گھرانے میں رکھا پھر میرے گھرانے میں سے مجھ کو پسند و اختیار فرمایا پس مجھے اور علی اور جعفر کو ان سے بہتر بنایا [3]۔

قابل غور ہے کہ بنی عبد المطلب کی دیگر اولاد کے ہوتے ہوئے بھی صرف جناب جعفر علیہ السلام کو کیوں ہی اللہ تعالیٰ نے اختیار کیا؟ اب اس فیصلہ کے بعد امت میں کس کے پاس اختیار ہے کہ جعفر کو اُس شرف نسبی و فضیلت سے نکالے کہ جو خُدا اور اُس کے رسول کا عطا کردہ ہے۔ حکم خدا ہے

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَن يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا [4]۔

---

[1] سورہ نجم ۴-۳
[2] سورہ الحجرات ۲
[3] الخصال، مصنف شیخ صدوق، ص ۲۳۵
[4] سورہ الاحزاب ۳۲

اور کسی مومن و مومنہ کے لئے یہ جائز نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو پھر ان کو اپنے امور میں کوئی اختیار باقی رہے اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے وہی کھلی گمراہی میں ہو گا۔

پھر یہ نہیں کہ بات صرف یہاں پر ہی آکر رک گئی ہے، اللہ کا نبی بار بار ندا دے رہا ہے کہ اس امر کی حقیقت کو جانو۔ تاریخ گواہ ہے کہ فتح خیبر اسلام کی ایک عظیم فتح تھی جس کی خوشی پوری امت کو تھی اسی موقع پر حضرت جعفر حبشہ سے واپس لوٹے تو آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں فیصلہ نہیں کر پارہا کہ جعفر کے آجانے سے مجھے زیادہ خوشی ہوئی ہے یا خیبر کی فتح سے، حکیم مطلق کا فیصلہ بغیر حکمت نہ تھا، کربلا کی شیر دل خاتون کو مشن حسینی کی تکمیل کرنا تھی اور اپنی اولاد کی بھی قربانی بھی پیش کرنا تھی چنانچہ اس مستور کے لیے کفوٴ کا بندوبست اولادِ جعفر طیارؑ سے کیا گیا، آنحضرت ﷺ جناب امیر علیہ السلام اور جناب جعفر علیہ السلام کی اولاد کو اکٹھے کھیلتے ہوئے دیکھتے ہیں تو فرماتے ہیں بنا تنا لبنینا وبنونا لبناتنا۔ ہماری بیٹیاں ہمارے بیٹوں کے لیے اور ہمارے بیٹے ہماری بیٹیوں کے لیے ہیں۔ ان بچوں میں جناب زینب سلام اللہ علیہا اور حضرت عبد اللہ بن جعفر، حضرت محمد بن جعفر اور حضرت عون بن جعفر شامل تھے۔

جناب جعفر کی جنگ موتہ میں شہادت کے بعد حضرت عبد اللہ کو ان کے بھائیوں کے ہمراہ آنحضرت ﷺ نے اپنی کفالت میں لے لیا اور فرمایا اَنَا وَلِیُّھُمْ فِی الدُّنْیَا والاٰخِرَۃ[1]۔ میں دُنیا و آخرت دونوں جگہ ان کا ولی ہوں۔ جناب عبد اللہ سے رسول اکرم ﷺ خصوصی شفقت و محبت فرماتے تھے، جناب عبد اللہ کی پرورش صحن رسول اللہ و امیر المومنین علیہ السلام میں ہوئی اور اس طرح ہوئی کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا وَاَمَّا عَبْدُ اللّٰہ فَیَشْبَہُ خُلُقِی وَخَلْقِی[2] یعنی عبد اللہ اخلاق و صفات میں بالکل میری شبیہ ہے۔ ایسی ہی شخصیت جناب زینب سلام اللہ علیہا کی کفوٴ ہو سکتی تھی چنانچہ

---

[1] استیعاب، عبدالبر جلداول، ص ۲۴۲

[2] علی کی بیٹی، ص ۷۳، ڈاکٹر علی قائمی بحوالہ الاصابہ جلد ۳، ص ۴۹

علامہ ابن شہر آشوب کہتے ہیں کہ ثانی زہراؑ اور عبد اللہ ابن جعفر، عون اور حضرت ام کلثومؑ کے عقد رسول اللہ ﷺ کی مخصوص وصیت کی بنا پر ہوئے۔ اس پر یہ حدیث بھی دلیل ہے بنا تنا لبنینا وبنونا لبنا تنا۔ ہمارا استدلال یہ ہے کہ جس طرح حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے زوج کا انتخاب منجانب اللہ تھا اسی طرح ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے لیے بھی زوج کا انتخاب اسی ذات باری تعالیٰ نے کیا اور اس پر ایک سے زیادہ نصوص حدیث نبوی سے ثابت ہیں، یہ خصوصی انتظام تھا، جس طرح حضرت علیؑ کو بزبان رسولؐ زوج بتولؑ قرار دیا اسی طرح ثانی زہرا سلام اللہ علیہا کے لیے اسی زبان وحی سے عبد اللہ بن جعفر طیارؑ کو زوج قرار دیا، حضرت مریمؑ، حضرت فاطمہؑ اور حضرت زینبؑ ہی وہ ذات مقدسہ ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے اصول خاص اور باقی مخلوق کو حکم عام میں قرار دیا۔ لہذا اس نکاح کو اپنی خواہشات نفسی کی آبیاری کے لیے دلیل بنانا ظلم و جہالت ہے اور خدا اور رسول ﷺ کے کیے ہوئے فیصلہ سے بغاوت ہے جس کی سزا جہنم کے سوا کچھ ہو ہی نہیں سکتی۔

باب ششم
خمس

خمس ایک ایسا واجب ہے جو فضیلت سادات پر ایک دلیل محکم ہے، لیکن یہ ایک حساس معاملہ بھی ہے کہ علماء اور مدارس کی تقریباً تمام تر آمدنی کا دار و مدار خمس پر ہی ہے اور ان میں مال خمس اکٹھا کرنے کی ایک دوڑ لگی ہوئی ہے، ابھی حال ہی میں ہماری انڈیا کے ایک عالم دین سے ملاقات ہوئی ہے جن کا کہنا تھا کہ ایران سے پیسہ لا کر علماء ہند میں تقسیم کیا جارہا ہے اور مقامی علماء و مولوی حضرات سے کہا جاتا ہے کہ اُن کے مرجع کی تقلید میں اضافہ کے لیے لابنگ کریں، جو لوگ اس تحریک میں جتنا مال اکٹھا کرتے ہیں اُس میں سے کئی فیصدی کمیشن اُن کو دیا جاتا ہے، تقریباً یہ ہی کام پاکستان میں بھی کیا جا رہا ہے۔ اندازہ کیجیے کہ کس طرح دین کے ایک واجب امر کے ذریعے کمیشن ایجنسٹی کروائی جارہی ہے، اس سے یہ بہرحال ظاہر نہیں ہے کہ خود مرجعٗ کرام اس کام میں شامل ہیں، ممکن ہے کہ ان سے نیچے جو افراد کام کرتے ہیں فقط وہی اس میں ملوث ہوں اور مرجعٗ کرام کو اس کی خبر بھی نہ ہو۔ علیٰ ہذالقیاس۔

بہر حال یہ ایک ضمنی پہلو تھا جو حقیقت حال آشکار کراتا ہے، ہمارے اکثر احباب خمس کو دلیل بنا کر غیر سادات کو سیّد زادی فاطمیہ کا کفوٗ ماننے سے انکار کرتے ہیں اور قائلین جواز کے ساتھ بحث و مباحثہ کرتے ہیں لیکن قائلین جواز ان کی دلیل کو رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ مالِ خمس باعث حرمتِ نکاح نہیں ہو سکتا، اسی طرح کا رویہ زکوٰۃ کے ضمن میں بھی اختیار کیا جاتا ہے، دلیل یہ دی جاتی ہے کہ جب خمس و زکوٰۃ کسی مستحق کو ادا کر دیا جاتا ہے تو وہ اُس شخص کی ذاتی مِلک بن جاتا جس کو غیر سیّد اور سیّد دونوں استعمال کر سکتے ہیں، لہٰذا سیّد زادی اگر کسی غیر سّید کے ساتھ شادی شدہ ہو تو دونوں ہی ایک دوسرے کے مال پر تصرف کر سکتے ہیں اور شرعاً اس پر کوئی پابندی نہیں۔ قارئین

کرام اندازہ کریں کہ کس خوبصورتی سے معاملے کو ایک بالکل ہی دوسرا رنگ دیا جاتا ہے، درحقیقت خمس کا مستحق ہونا ہی فضیلت کی دلیل ہے نہ کہ مال کو بحث بنا کر یہ ثابت کرنا کہ حق دار کے پاس آکر اسکو کون استعمال کر سکتا ہے اور کون نہیں۔

اس مسئلہ پر ایک عالم دین مولانا سید عبد اللہ شاہ عبدؔ موسوی سید کسرانی اعلیٰ اللہ مقامہ نے مدلل بحث کر کے نہ صرف خمس کو اولادِ رسول ﷺ کا ایک شرف و فضیلت ثابت کیا ہے بلکہ اُن کوششوں کو بھی بے نقاب کیا جو اس امر واجب کی بے توقیری کا باعث بن رہے ہیں۔ بہتر ہے کہ میں مولانا عبد موسوی کی کتاب سے پورا اقتباس یہاں نقل کروں جس میں اُنہوں نے عقلی و نقلی دلائل دینے کے ساتھ ۱۹۱۹ء میں نجف اشرف میں پیش آنے والے ایک واقعہ کو بھی بیان کیا ہے۔ مولانا عبدؔ موسوی حُرمت بنات رسول کے سختی سے قائل تھے اور وہ اس موضوع پر اپنی تصنیف کی توسط سے تا قیامت حسبی و نسبی سادات کے دلوں میں گھر کیے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات میں سیّدہ کونینؑ کے صدقہ میں اضافہ فرمائے۔ الٰہی آمین۔

مولانا عبدؔ موسوی لکھتے ہیں کہ ایک عالم دین مولوی غلام محمدؒ نجفی صاحب مدظلہ فاضل نجف اشرف کو یہ مسئلہ خط کے ذریعہ سے ۱۹۴۹ء میں بھیجا گیا تو جواب میں وہ اس طرح رقم طراز ہوئے

علمائے مجتہدین۔۔۔آپ کی دلیلیں۔۔۔اس طرح رد کرتے ہیں کہ آپ بتائیں کہ ایک سیّد ہو اور اُس کے پاس سب مال خمس والا ہو تو کیا آپ غیر سیّد مہمان ہو کر کھانا اُس کے گھر کھا سکتے ہیں یا نہیں اور ایسے ہی وہ کسی غیر سید کو وہ چیز خود ہبہ کر سکتا ہے یا نہیں اور ایسے ہی اور اخراجات صدقہ وغیرہ وغیرہ تو اب یہ غیر سیّد زکوٰۃ والے مال کا مالک ہے اس صورت میں جس کو دیگا درست وصحیح ہے۔ چاہے لینے والا سیّد ہو یا سیّدہ اور یہ اپنی زوجہ سیّدہ کو اپنے مال (جو زکوٰۃ لینے کے بعد مالک ہو جاتا ہے) سے نان نفقہ ومہر وغیرہ دیگا اور ایسے ہی سیّدہ اس کو اپنا مِلک دے سکتی ہے شرعاً یہ اس کے جہیز کا مالک تو نہیں ہے وہ جو چیز دے لے سکتا ہے ایسے ہی غیر سیّد کی اولاد جو سیّدہ سے ہے اس ماں سیّدہ کے مال

کی وارث ہو سکتی ہے۔ کیونکہ خمس ملنے کے بعد اس کا مِلک ہے چاہے وہ سیّد کو دے یا غیر سیّد کو۔

اسی طرح کے جوابات آج کل بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ مولوی غلام محمدؒ نجفی کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے مولانا عبدؔ موسوی کہتے ہیں

مقام حیرت اور افسوس ہے کہ جو استنباطی نظریں مال خمس وز کوٰۃ کی ملکیت کی دلیل کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئیں وہی نظریں اس طرف کیوں نہ جا سکیں کہ مال خمس وز کوٰۃ بحیثیت مال دُنیا ہونے کے ایک طرح کا ہی مال ہے۔ باوجود اس کے خُداوندِ عالم کو اس مال دُنیا کو الگ الگ دو طرح کا مال قرار دے کر الگ الگ نام رکھنے کی کیا ضرورت تھی؟ خُداوندِ عالم حکیم مطلق ہے اس کا قول و فعل کبھی حکمت سے خالی نہیں ہوتا صاحبان استنباط نے اس حکمت و مصلحت کو حاصل کرنے میں کیوں خامی کی ہے؟ دوسرے اس امر میں کیا قباحت تھی کہ اس مال کو مساوی طور پر تمام مسلمانوں کے مستحقین پر تقسیم کر دیا جاتا جبکہ اسلامی مساوات بھی اسی کی داعی ہے اس میں کیا قباحت تھی؟ تیسرے اس مال دنیا کو دو طرح کا مال قرار دے کر اس کے مصرف کے لئے دو گروہ الگ الگ قرار دینے میں کیا حکمت و مصلحت تھی اور ایسا نہ کرنے میں کیا خرابی لازم آتی تھی؟ اس مال کو دو طرح کا مال قرار دے کر پھر اسکے مستحقین کے دو گروہ بنا کر پھر مستحقین خمس پر ز کوٰۃ کو حرام کرنے اور مستحقین ز کوٰۃ کو مال خمس سے محروم رکھنے میں خُدا کی کوئی حکمت و مصلحت تھی یا کہ نہ تھی اگر یہ کہا جائے کہ نہ تھی تب کفر لازم آئیگا۔ کہ حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا اور اگر اقرار کیا جائے تو پھر وہ حکمت و مصلحت کیا تھی؟ مال خمس کی ملکیت کے ساتھ اس حکمت و مصلحت پر استنباطی نظریں کیوں نہ پڑیں؟ خُداوندِ عالم کا مال خمس میں اپنا حصہ مقرر فرمانے اور مال ز کوٰۃ میں اپنا حصہ مقرر نہ فرمانے میں کیا حکمت و مصلحت تھی۔ صاحبان استنباط نے ان امور سے کیا استنباط فرمایا ہے؟ اپنی دلیل ملکیت مال خمس وز کوٰۃ کے ساتھ اپنے استنباط میں ان امور کو کیوں داخل نہیں فرمایا۔

ہمارے زعم ناقص میں یہ امر اہم سے اہم اور جلی سے جلی ہے کہ خُداوندِ عالم رزاق مطلق اور صمد مطلق اور بے احتیاج ذاتی ہے جس کو کسی طرح کی احتیاج و ضرورت نہیں باوجود اس کے اس قادر مطلق نے تقسیم مال خمس میں اپنا حصہ مقرر فرما کر اور مال ز کوٰۃ میں نہ مقرر فرما کر دونوں مالوں اور دونوں گروہوں میں زمین و آسمان کا فرق دیکھا دیا ہے کہ مال خمس کے مستحق آسمان ہیں بلکہ ان میں عرش کے

باشندے بھی ہیں۔ نہیں نہیں خود میری ذات اقدس کے خلیفہ حقیقی اور قائم مقام ہیں اور مال زکوٰۃ کے مستحق زمین کی مانند بلکہ اس سے بھی اور پست ہیں۔ الناس ارض والوصی سماء ھا مشہور ہے۔ پس یہی ہر سائل کا مدعا ہوتا ہے اگرچہ وہ الفاظ میں ادانہ کر سکے اگر اس کا مدعا یہ نہ ہو تو حرمت نکاح میں خمس کی علت و حرمت کو پیش ہی کیوں کرے۔ ہر سائل علت مال خمس کو پیش کر کے مستحقین مال خمس کو فضیلت و افضلیت ثابت کرنا چاہتا ہے کہ مال خمس کی علت کی نص سے اولاد رسول تمام امت پر فاضل ہیں اور فاضل پر مفضول کو حاکم بنانا قبیح ہے جو ظلم ہے لہذا یہ نکاح کس طرح جائز ہے جو درگاہ اعلمیت سے رد کر دیا جاتا ہے؟

پس خُداوندِ عالم جو جسم وجسمانیات حوائج و احتیاجات سے منزّہ ومبرّہ ہے باوجود اس کے اس نے دنیاوی اور فانی مال خمس میں اپنا حصہ مقرر فرما کر ثابت کر دیا ہے کہ مستحقین مال خمس میرے خاص بندے ہیں ان کو میری عام مخلوق کے ساتھ نہ ملاؤ بلکہ ان کو میری طرف منسوب کر کے دوسرے مسلمانوں سے فاضل و افضل جانو، اور اس پر لطف یہ کہ اپنا حصہ مقرر فرما کر اس کا مصرف پھر وہی اولاد رسول ﷺ ہی قرار دی ہے علیحدہ نہیں کیا۔

پس اس بیان سے ثابت ہے کہ مال خمس و زکوٰۃ کی ملکیت سے جواز نکاح نہیں ثابت ہوتا کیونکہ خُداوندِ عالم نے اولاد رسول خُدا ﷺ کے غیر معصوم کے ساتھ مساوی حصہ دار بنکر ثابت کر دیا ہے کہ میرے حصہ داروں پر فضیلت و حکومت چاہنے والا مجھ پر فضیلت و حکومت حاصل کرنے کا متمنی ہے، لہذا جہنم کا سزاوار ہے۔ جن حضرات کو ہمارے اس بیان پر شبہ ہو اور وہ ہمارے بیان کا اقرار و اعتراف نہ کریں ان کو ہم چیلنج دیتے ہیں کہ وہ ثابت کریں کہ خُداوندِ عالم کو اس مال دنیاوی و فانی میں غیر معصوم لوگوں کے ساتھ حصہ دار مساوی بننے کی ضرورت کیوں ہوئی؟ بعض حضرات اپنی گفتگو میں لوگوں سے یہ بھی فرمایا کرتے ہیں کہ خُداوندِ عالم نے فرمایا ہے۔ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ۔ خُداوندِ عالم کے نزدیک تم میں سے جو زیادہ متقی ہے وہی زیادہ مکرم و معزز ہے (الحجرات۔ ۱۳) خواہ کوئی بھی ہو کسی قوم کا ہو۔ اس کے تحت حضرت امام علی زین العابدین علیہ السلام کا ایک فرمان بھی پیش کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ غیر متقی خُدا کے نزدیک کبھی مکرم نہیں ہو سکتا ولوکان سیّد قریشی اگرچہ سیّد قریشی بھی ہو۔ ایسے بزرگواروں سے ہم سوال کرتے ہیں کہ کیا غیر سادات متقی حضرات اپنے اتقٰی کی وجہ سے مال خمس کے مستحق و حصہ دار ہو سکتے ہیں؟ اگر ہو سکتے ہیں تو أفا تو ابکتا بکم اور اگر نہیں ہو سکتے اور واقعاً ہی نہیں ہو

سکتے تو اس آیت و حدیث کو اولاد رسول ﷺ کے مقابل پیش کرنا ان کی نیت بالخیر کا ثبوت نہیں لہذا انجام بھی بالخیر نہیں ہو گا۔ غیر سادات اگر چہ اعلیٰ درجہ اتقی پر فائز ہو جائے بلکہ شرعی ولی اللہ بھی ہو جائے تو پھر بھی وہ مال زکوۃ کا مستحق ہے خمس کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ جب اس کو اتقی اور ولایتِ کسبی مال خمس کا مستحق نہیں بنا سکتے تو پھر مستحقین خمس پر تصرف اور حکومت کا مستحق کیسے بنا سکتے ہیں۔

اب ہم اپنے بیان کی تائید میں فرمان امام علیہ السلام پیش کرتے ہیں تا کہ مذکورہ بیان کو ہماری تفسیر بالرائے نہ بنا دیا جائے، اور وہ یہ ہے کہ معاویہ بن سفیان اموی نے حضرت امیر المومنین علی علیہ السلام کی خدمت میں لکھا کہ ہم اور آپ ایک ہی درخت کی شاخیں ہیں ایک ہی خاندان سے ایک دادا کی اولاد ہیں، تو پھر آپ کو ہم پر کس طرح فضیلت حاصل ہے، جس سے آپ ہم پر فخر کرتے ہیں اور فضیلت جتاتے ہیں۔ اس کے جواب میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے جو تحریر فرمایا اس کو علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے جلد ثامن بحار الانوار میں کتاب الغارات لابراھیم بن محمدؐ ثقفی سے نقل کرتے ہیں۔ خط کافی طویل ہے اس کا صرف وہ حصہ نقل کیا جاتا ہے جو مستحقین خمس کے حق میں ارشاد ہوا ہے۔

لوقدعرفناک قبل الیوم عداوتک و حسدک ومافی قلبک من المرض الای اخرجه اللہ والذی انکرت من قرابتی و حقی فان سهمنا و حقنا فی کتاب اللہ قسمة لنا مع تبینا فقال واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان لِلّٰهِ خمسه وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین و ابن السبیل (الخ)۔ وقال وات ذاالقربیٰ حقهء لیس وجدت سهمنا مع سهم اللہ ورسوله وسهمک مع الابعدین لیس سهم لک اذفارقته فقدا ثبت اللہ سهمنا واسقط سهمک بغرافک و انکرت امامتی و ملکی فهل لاتجدفی کتاب اللہ قولاً آل ابراهیم واصطفاهم علیٰ العلمین فهو فضلنا علیٰ العلمین وتزعم انک لست من العلمین او تذعم انا لسنا من آل ابراهیم فان انکرت ذالک لنا فقد انکرت محمد ﷺ فهو منا و نحن منه فان استطعت ان تفرق بیننا و بین ابراہیم صلوات اللہ علیه و اله اسماعیل و محمد وآله فی کتاب اللہ فافحل۔ اے معاویہ خبر دار ہو اور ہم تجھ کو آج سے پہلے ہی جانتے اور پہچانتے ہیں اور تیری دشمنی اور حسد اور تیرے اس قلبی مرض کو بھی جس کو خُدا ظاہر کر رہا ہے پہچانتے ہیں جس کی وجہ سے تو ہماری قرابت رسول ﷺ اور حق کا انکار کر رہا ہے۔ پس تحقیق ہمارا حصہ اور حق کتاب خُدا میں لکھا ہوا موجود ہے۔ ہمارا حصہ ہمارے نبیؐ کے ساتھ مقرر کیا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور جان لو سمجھ لو کہ سوائے اس کے نہیں ہے کہ جو مال غنیمت اور مال دنیاوی سے جو نفع تمہیں حاصل ہو اس کا پانچواں حصہ اللہ اور اس کے رسول اور اس کے اقرباء اور ان کے یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کا ہے اور حکم دیا ہے کہ اپنے قرابتداروں کا حق ادا کر دو۔ کیا تو ہمارے حصہ کو خُدا اور رسولؐ کے حصہ کے ساتھ کتاب خُدا

میں نہیں پاتا اور دیکھتا اور تیرا حصہ دور والوں میں رکھا گیا ہے۔ جب خُدا نے ہی تجھ کو ہم سے جُدا کر دیا اور تیرا حصہ کو بھی جُدا کر دیا پس تحقیق ہمارے حصہ کو خُدا نے اپنے اور اپنے رسول کے حصہ کے ساتھ ثابت و قائم رکھا ہے اور تیری دوری اور جُدائی نسل کی وجہ سے ترے حصہ کو اپنے اور رسولؐ کے حصہ کے ساتھ سے ساقط اور الگ کر دیا ہے اور تو میری امامت اور ملکیت کا بھی انکار کرتا ہے۔ پس کیا تو کتاب خُدا میں آلِ ابراہیم کے حق میں خُدا کا یہ فرمان نہیں دیکھتا جس میں خُدا نے آلِ ابراہیم کو تمام عالمین سے چن لیا ہے۔ پس اس نے ہم کو تمام عالمین پر فضیلت دی ہے اور کیا تو گمان کرتا ہے کہ تو عالمین میں نہیں ہے یا کہ یہ گمان کرتا ہے کہ ہم آلِ ابراہیم نہیں ہیں۔ پس اگر تو ہمارے آل ابراہیم ہونے سے انکار کریگا تو تیرا انکار محمد مصطفٰیؐ کی ذات کا انکار ہو گا کیونکہ وہ ہم میں سے ہیں اور ہم ان میں سے ہیں پس اگر تجھ کو اس امر کی طاقت ہے کہ تو کتاب خُدا میں ابراہیم اور اسماعیل اور محمدؐ اور آل محمدؐ میں جُدائی ڈال سکتا ہے تو ڈال دے۔

پس حضرت امیر المومنین علیؑ نے اپنے اس فرمان میں آیہ مبارکہ خمس اور تقسیم مال خمس سے ان لوگوں پر اپنی فضیلت بنص آیہ مبارکہ ثابت کی ہے کہ جن کا حصہ خُدا نے مال خمس میں نہیں رکھا تھا۔ جس سے ظاہر ہے کہ خُداوندِ عالم نے مال خمس کی تقسیم میں اپنا حصہ محض اولاد رسول اللہؐ کی فضیلت و عظمت ثابت کرنے کے لئے رکھا ہے اسی وجہ سے خُدا نے اپنے حصہ کا مصرف بھی ان کو ہی مقرر فرمایا ہے (ففھم) پس ثابت ہوا کہ خُداوندِ عالم نے جن کو مال خمس کا اپنے ساتھ مستحق قرار دیا ہے وہ تمام امت محمدی کے لوگوں سے فاضل ہیں اور یہ آیت اولاد رسول کی فضیلت پر نص اور حسی دلیل ہے، اور مفضول فاضل کا کفوٗ کبھی نہیں ہو سکتا چہ جائیکہ مفضول کو فاضل کا حاکم و متصرف قرار دیا جائے۔ پس کسی شئ کو غیر محل رکھنا ظلم ہے۔ لہذا فاضل پر مفضول کا نکاح سے حاکم و متصرف بنانا ظلم صریحی ہوا کہ عمل غیر محل ہے۔ اور ہر ظلم شرعاً ناجائز اور حرام ہے لہذا ایسا نکاح بھی ناجائز و حرام ہوا، اور حضرت امیر المومنینؑ نے خمس کی آیت میں اقرباء سے مراد وہی لیے ہیں جو آیت (فَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ) والے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مال خمس کے مستحق صرف بنی فاطمہ ہی ہیں، عشیرہ و ہاشمی نہیں ہیں اگرچہ ان کو مال خمس دیا جاتا رہا ہو۔ فتفکروا و تدبروا

نہ معلوم حضرات مفتیان فتویٰ بروز محشر کیا جواب دیں گے کہ حضرت امیر المومنینؑ تو ان آیات قرآن سے تمام اولاد رسول خُداؐ کی فضیلت دائمیہ ثابت فرما رہے ہیں اور صاحبان فتویٰ حضرات

مساویت کا درجہ بھی نہیں دیتے بلکہ محکوم قرار دیتے ہیں۔ کیا اس صورت میں تکذیب امیر المومنین علیؑ اور تائید معاویہ نہ ہو گی؟ جو مدعی مساوات تھا۔

دیگر امیر المومنینؑ نے آیہ مبارکہ فَآتِ ذَا الْقُرْبَى حَقَّهُ کو قرابت رسول میں نص قرار دیا ہے کہ آیہ خمس صرف بنی فاطمہ کے حق میں ہے قرابتداران عشیرہ اس میں داخل نہیں ہیں بہر حال مال خمس کی تقسیم میں خُداوندِ عالم نے اپنا حصہ اور رسول کا حصہ رکھ کر فضیلت بنی فاطمہ پر نص کر دی ہے جس سے روز روشن کی طرح انکار کیا جاتا ہے۔

۱۹۱۹ء کا ایک واقعہ ہے کہ جب میں (مولانا عبد موسوی) نجف اشرف میں زیر سایہ امیر المومنینؑ مقیم تھا تو شیخ سجاد حسین لکھنوی جو اس وقت سند اجتہاد حاصل کرے والے تھے انہوں نے ایک سیّد صاحب سے کہا کہ آپ کے پاس مال خمس ہے اس سے ہمارا حصہ مجھے دینا تو میں نے عرض کی کہ آپ کا حصہ کیسے ہو گیا۔ تو جواب دیا کہ سہم امام ہمارا حصہ ہے تو میں نے کہا کہ وہ کس بنا پر آپ کا حصہ ہو گیا تو فرمایا ہم طالب علم ہیں۔ اس واسطے سہم امام ہمارا حصہ ہے تو میں نے عرض کی کہ اگر آپ بنی فاطمہ ہوتے تب تو یہ بات درست تھی جب آپ غیر سیّد ہیں تو پھر سہم امام آپ کا حصہ کیسے ہو سکتا ہے؟ تو فرمایا کہ امامؑ اپنے زمانہ میں اپنا سہم طالب علم لوگوں پر خرچہ فرمایا کرتے تھے۔ لہذا ان کی غیبت میں انکا حصہ ہمیں ملنا چاہیے کہ ہم طالب علم ہیں۔ اگر امامؑ ظاہر ہوتے تو اپنا حصہ ہم پر ہی خرچہ کرتے لہذا سہم امامؑ طالبان علم کا حق ہے۔ سادات کو نہ دینا چاہے، تو میں نے عرض کیا گر ایسا ہو تا تو ابو بکر خلیفہ کا جواب معصومہ کونین حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کے بالمقابل صحیح ہوا کہ اس نے حضرت معصومہ سلام اللہ علیہا سے کہا تھا کہ میں فدک کی آمدنی کو اسی طرح خرچ کروں گا جس طرح رسول اللہ ﷺ خرچ کیا کرتے تھے (انما یا کل آل محمدؐ) آل محمد ﷺ کو گزارہ ہی ملے گا جو ملتا رہا ہے۔ تو مولانا شیخ سجاد حسین صاحب عربی بولنے لگے میں نے عرض کی اپنی زبان میں بات کرو تا کہ میں جواب دوں مگر وہ نہ مانے آخر حاجی احمد ابراہیم نقشبندی سکنہ اندرون ٹکسالی دروازہ گلی سمیانوالی لاہور جو ان دنوں حکومت برطانیہ کی طرف سے کوفہ میں کمشنر لگے ہوئے تھے، نے مجھے کہا کہ آپ چپ رہیں میں ان کو آپ کی طرف سے عربی میں جواب دیتا ہوں۔ جب انہوں نے اسی دلیل کو عربی میں دھرایا کہ یا تو اپنے دعوی سے دست بردار ہو جاؤ یا پھر ابو بکر خلیفہ کو بھی سچا مان لو کیونکہ اس نے بھی یہی دلیل پیش کی تھی جو آپ نے سہم امامؑ کی بابت پیش کی ہے۔ اگر آپ کے

نزدیک ابو بکر اپنے بیان میں حق پر نہ تھے تو پھر آپ بھی اس دلیل سے حق پر نہیں، جس کے بعد وہ خاموش ہو گئے اور کوئی جواب نہ دیا۔

یہ گفتگو حرم اقدس کے بالائی حجرہ سمیت شمالی کے اس حجرہ میں ہوئی جو سمت مشرق کی طرف سے تیرا نمبر حجرہ ہے اور جس کی پیشانی پر لَا یَسۡخَرۡ قَومٌ مِّن قَوۡمٍ سورہ حجرات کا جملہ لکھا ہوا تھا جو ۱۹۵۶ء تک موجود تھا۔ اور یہی بات ۱۹۵۰ء یا ۱۹۵۱ء میں میرے ایک میزبان نے کہی جبکہ میں ان کے ہاں گیا تو دورانِ گفتگو کہا کہ کتاب حدیقۃ الشیعہ میں لکھا ہے کہ امامؑ نے اپنی غیبت کے زمانہ میں مال خمس کو شیعہ حضرات پر مباح فرما دیا ہوا ہے اور وہ اس پر عامل بھی تھے جو غیر سیّد تھے اور اپنی آمدنی کا خمس اپنے اقرباء کو دیا کرتے تھے۔ اس تحریر کی غرض یہ ہے کہ خُداوندِ عالم نے جس مال کو اپنے اور اپنے رسول اور اقرباء رسول اور اولاد رسول کے لیے مخصوص فرمایا ہے اور غیر اولاد رسول کو محروم رکھا ہے علماء شیعہ حضرات نے اپنی منطق سے اس کو تمام لوگوں کے لئے حلال بنا دیا ہے۔ کیونکہ فرمان امامؑ میں لفظ شیعہ یا مومن وارد ہوا ہے، لہذا ہر شیعہ اور مومن پر حلال ہے۔ گویا یہ ثابت کیا جا رہا ہے (نعوذ باللہ) امامؑ خُدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا رہے ہیں (پناہ بخدا)۔[1]

خود بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں
کیا ہی بے توفیق ہوئے ہیں یہ فقیرانِ حرم

[1] حرمت بنات رسولؐ اعلیٰ غیر اولاد رسولؐ، مولانا سید عبداللہ شاہ عبد موسوی

باب ہفتم

تقلید واجتہاد

عصر حاضر میں پراپگنڈہ ایک منظم حملہ کی صورت اختیار کر چکا ہے دُنیا کی سیاست میں اس کے بہت سارے نمونے آئے روز ہمارے سامنے آتے ہیں، لیکن ہم بخوبی جانتے ہیں کہ اسلام میں سب سے پہلا منظم پراپگنڈہ امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام کے خلاف شروع کیا گیا، اس پراپگنڈہ کے اثرات اتنے گہرے ہیں کہ آج بھی ترو تازہ ہیں، اسی طرح سیّدہ فاطمیہ کے غیر اولادِ رسول سے عقد کے قائلین نے وہ سماباندھا ہے کہ خود بہت سارے سادات بھی اس خرابہ عصری میں بہہ نکلے ہیں، ایک عالم دین تو یہ تک کہہ گئے کہ اس معاملہ پر مجتہدین کے اتنے فتاوے ہیں کہ معاملہ اجماع کو پہنچ گیا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ یہ اجماع اثرات و نتائج میں ماضی میں کیے گئے اغیار کے اجماع سے کتنا مختلف ہے؟

ایک عجیب و غریب طرزِ استدلال یہ بھی اختیار کیا جاتا ہے کہ مجتہدین کے فتاوے اس عقد کے حق میں موجود ہیں اگر ان فتاوٰں پر اعتراض کیا جائے تو علماء کرام کی عزت میں نقص آتا ہے اور تقلید خطرے میں پڑ جاتی ہے لہذا اگر ان فتاوٰں پر عمل نہیں بھی کرنا تو عزتِ علما کا تقاضا ہے کہ خاموشی اختیار کی جائے، میں ذاتی طور پر اس استدلال سے نہ صرف حیران ہوں بلکہ پریشان بھی ہوں کہ کس طرح عزتِ علما کو حُرمتِ رسول اور حکم خدا پر فوقیت دی جارہی ہے لیکن یہ وہ زہر ہلاہل ہے جو ہم سے نہ پیا جائے گا، حُرمت رسول سے متصادم ہر چیز ہیچ ہے، ظلم ہے، گر کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔

قائلین جواز جب عاجز آتے ہیں تو فوراً ہی یہ کہنے لگتے ہیں کہ کیا آپ کا علم و مطالعہ اور دین فہمی حضرات مجتہدین سے بڑھ کر ہے؟ یہ درست ہے کہ اپنی پوری پوری زندگیاں اُنہوں نے علم دین کے سمجھنے میں صرف کر دی ہیں لیکن ہم جو عرض کر رہے ہیں اُس کا تعلق ہدایت الٰہیہ سے ہے، برہان

سے ہے، دلیل سے ہے، کیا اتنی ریاضت اور محنت کے بعد حضراتِ علماء معصومیت کا دعویٰ کر سکتے ہیں؟ بالکل نہیں ۔۔۔ تو پھر اُن کی سمجھ اور فیصلوں میں نقص کا عنصر موجود رہتا ہے کہ نہیں؟ اگر مجتہدین کے فتوے اس نکاح کی اجازت دیتے ہیں تو ہمارے پاس ان ہی کے فتوے ہیں جو اس کو ناجائز بلکہ حرام قرار دیتے ہیں (دیکھیے صفحہ 55)،اس کے علاوہ یہ فیصلہ تو تب ہو یا دوسرے الفاظ میں یہ سوال تو اُس وقت بنتا ہے جب مفتیانِ دین دلیل و برہان کے قائل ہوں، وہ تو جائز است اور ناجائز است سے بڑھ کر کوئی بات ہی کرنے کو تیار نہیں، آج تک کس مجتہد نے دلیل و برہان سے سیّدہ فاطمیہ کا نکاح غیر اولادِ رسولؐ سے جائز قرار دیا ہے؟ جب وہ دلیل و برہان سے اپنا دعویٰ ہی ثابت نہیں کرتے تو ہم اُن کے فتویٰ کو نہ صرف ظنّی اور قیاسی بلکہ اُن کے ذاتی ادراک و تخمینوں کا نتیجہ سمجھتے ہیں، اُن کے بر عکس ہم اپنا مدعا دلیل و برہان سے ثابت کرتے ہیں، ہاں یہ بات الگ ہے کہ کوئی دین اسلام کو ہی دلیل و برہان اور علم و اتقان کا دین نہ سمجھے، اس عالم میں ہم تو بناتِ رسولؐ کے خلاف ہر اقدام کو ایک جسارت اور استعماری حربہ ہی سمجھیں گے۔

میں جانتا ہوں کہ میری اس صدائے حق کو غلط رنگ دیا جائے گا اسی لیے میں یہ وضاحت بھی کر دوں کہ میرا اس موضوع پر قلم اُٹھانا تقلید کے خلاف لکھنا نہیں بلکہ یہ واضح کرنا ہے کہ سر سپردگی کے اُس عمل سے بچا جائے جس کو خود معصومین علیہم السلام نے ناجائز قرار دیا ہے، اور یہ بھی ثابت کیا جائے کہ ہم آنکھیں بند کر کے قوم موسیٰؑ کی طرح اندھا دھند تقلید کے قائل نہیں کہ جس کی قرآن و حدیثِ معصومینؑ میں مذمت کی گئی ہے، خود علماء کرام بھی اس قسم کی تقلید کو ناجائز قرار دیتے ہیں، میں تقلید کے ایک فطری امر ہونے کا قائل ہوں اور بہتر ہو گا کہ طوالت سے بچتے ہوئے میں اپنے مذکورہ بالا جملوں کی مزید توضیح کر دوں کہ بد گمانی کا شائبہ نہ رہے۔

آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری نے تقلید کی دو اقسام یعنی جائز اور ناجائز بیان کی ہیں اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک طویل قول نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

جائز و ممدوح تقلید' خود سپردگی' آنکھیں بند کر لینا اور خود کو کسی کے حوالے کر دینا نہیں ہے بلکہ آنکھ کھولے رہنا اور ہوشیار رہنا ہے ورنہ وہ جرم میں شریک مانیں جائیں گے۔۔۔نا جائز تقلید وہی ہے جو سر سپردگی کی شکل میں ہو اور یہ صورت اختیار کر لے کہ [مقلد یہ خیال کرے کہ] جاہل کو عالم سے بحث کرنے کا حق نہیں، [یا یہ فرض کرلے کہ] یہ باتیں ہماری سمجھ سے مافوق ہیں، [یا یہ کہ] شاید یہ سب کچھ شرعی ذمہ داریوں کا تقاضا ہو[1]۔

کیا آج تقلید کے نام پر یہ سب کچھ عملاً نہیں کیا جا رہا؟ میں نے خود لوگوں کو یہ دلیل دیتے ہوئے سنا ہے کہ ہم نے تو فقط فتویٰ پر عمل کرنا ہے درست ہے یا غلط اب مجتہد ہی روزِ قیامت جواب دہ ہو گا ہم تو تقلید کر کے فارغ الذمہ ہو چکے۔ مرتضیٰ مطہری اُن شرائط کا ذکر کرتے ہوئے کہ جن کی پابندی ایک مجتہد پر مرجعِ تقلید رہنے کے لیے لازمی ہیں امام علیہ السلام کا ایک قول نقل کرتے ہیں وھم بعض فقہاء الشیعۃ لا جمیعھم ۔یہ اعلیٰ و ارفع اوصاف و فضائل صرف بعض شیعہ فقہاء میں پائے جا سکتے ہیں' تمام شیعہ فقہاء میں نہیں۔ شہید مرتضیٰ مطہری جیسی بلند پایہ علمی شخصیت یہ بھی اقرار کرتی ہے کہ

آج بھی ہماری فقہ میں ایسے موارد موجود ہیں جہاں فقہاء نے صرف کسی موضوع کی ضرورت و اہمیت کے ادراک کے پیش نظر پورے جزم و یقین کے ساتھ اس کے واجب ہونے کا فتویٰ دیا ہے یعنی باوجودیکہ اس موضوع کے متعلق کوئی صریح و واضح حدیث و آیت ہے نہ معتبر اجماع۔

اس عالم میں فاطمیہ مستور کے کسی مفضول النسب شخص سے نکاح کا بے دلیل فتویٰ کتنا با اعتبار رہ جاتا ہے؟ اس طرح کے فتاوے ہی نظام اجتہاد پر انگشت نمائی کا موجب ہیں اور تقاضا کرتے ہیں کہ اس نظام میں تبدیلی لائی جائے۔ یہ میں نہیں بلکہ خود آیت اللہ مطہری کہتے ہیں کہ نظام اجتہاد میں موجودہ

[1] اجتہاد اور تقلید: مصنف: آیت اللہ شہید مرتضیٰ مطہری

زمانے کے اعتبار سے تبدیلی ناگزیر ہو چکی ہے اور اس سے قبل کہ فقہاء یا فقہ کا تکامل و ارتقاء جمود کا شکار ہو جائے یہ تجویز مان لی جانا چاہیے، ایک ہی شخص فقہ کے تمام پہلوں کا احاطہ فی زمانہ بہتر انداز سے نہیں کر سکتا لہذا شہید مطہری‘ آیت اللہ حاجی شیخ عبد الکریم حائری یزدی اعلیٰ اللہ مقامہ‘ (حوزۂ علمیہ قم کے بانی) کی تجویز دہراتے ہوئے کہتے ہیں

> بہتر یہ ہے کہ فقہ کے الگ الگ شعبے قائم کر دیئے جائیں‘ یعنی ہر گروہ‘ فقہ کا ایک عمومی کورس پورا کرنے کے بعد کسی معین شعبہ میں مہارت حاصل کرے اور لوگ اس کی اسی شعبے میں تقلید کریں جس میں اس نے مہارت حاصل کی ہے۔ مثلاً بعض لوگ عبادات کو اپنی مہارت کے شعبہ کے طور پر اختیار کریں تو کچھ لوگ معاملات میں‘ کچھ افراد سیاسیات میں اور کچھ اشخاص احکام میں (احکام‘ فقہی اصطلاح میں) اجتہاد کریں‘ جس طرح علم طب میں شعبے تقسیم کر دیئے گئے ہیں ہر ڈاکٹر طب کے ایک مخصوص شعبہ میں مہارت حاصل کرتا ہے‘ کوئی دل کا ماہر ہے تو کوئی آنکھ کا‘ کوئی کان کا ماہر ہے تو کوئی ناک کا... اگر ایسا ہو جائے تو ہر شخص اپنے شعبے میں زیادہ بہتر طریقے سے تحقیق کر سکتا ہے۔ میرے خیال میں جناب سید احمد زنجانی کی کتاب "الکلام یجر الکلام" میں یہ بات آیۃ اللہ حائری یزدی سے نقل ہوئی ہے۔ یہ تجویز بہت اچھی تجویز ہے اور میں اس میں اتنا اور اضافہ کرتا ہوں کہ فقہ میں کام کی تقسیم اور فقاہت میں تخصصی شعبوں کی ایجاد‘ تقریباً سو سال سے ایک ضرورت کی شکل اختیار کر چکی ہے اور موجودہ حالات اس دور کے فقہاء یا فقہ کے تکامل و ارتقاء کو روک دیں‘ اسے موقوف کر دیں اور یا یہ تجویز مان لیں۔

اس بیان سے صورت حال واضح ہو جانا چاہیے، میں اس سے زیادہ عرض نہیں کرنا چاہتا کہ یہ اس کتابچہ کا موضوع نہیں۔

خلاصہ کلام

قارئین کرام !اس کتابچہ کا مقصد شیعیان حیدر کرار اور خود ساداتِ بنی فاطمہ میں فکر کو اجاگر کرنا ہے تاکہ وہ حق وباطل میں تمیز کر سکیں، ہمارے دین میں آج ایسی بہت سے امور داخل ہو چکے ہیں جو دین کی اصل روح سے ہی متصادم ہیں، اسی طرح کا ایک مسئلہ سیّد زادی فاطمیہ کا غیر اولاد رسول ﷺ سے نکاح کا ہے، اس پر قائلین جواز اور عدم قائلین جواز کے پاس فتوے ہیں ایک جائز قرار دیتا ہے تو دوسرا ناجائز، اس نکاح کے طرفدار علماء بھی اس کو واجب قرار نہیں دیتے تو ایسی صورت میں کیا ضروری ہے کہ اس عمل میں پڑ کر دین اور اُخروی نجات کو ہی داؤ پر لگا دیا جائے۔ یہ ایک ایسا وسیع موضوع ہے کہ اس پر ماضی میں بھی بہت کچھ لکھا گیا ہے اور اب بھی ضخیم کتب لکھی جا سکتی ہیں، میری تحقیق و جستجو اس نکاح کو ہر گز ہر گز جائز نہیں سمجھتی اسی لیے مقدور بھر عقلی و نقلی دلائل اور قرآن و حدیث سے استدلال آپ کے سامنے رکھ دیئے ہیں۔ فیصلہ خود کیجیے ! اللہ تعالیٰ نے خود نبی اکرم ﷺ کو بھی دین کا داروغہ نہیں بنایا تو اور کوئی کیا پاسبانی کرئے گا، میں نے تو فقط امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیا ہے۔ ارشاد خُداوندِ عالم ہے

مَّنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّهَ وَمَن تَوَلَّى فَمَا أَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۔ وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُواْ مِنْ عِندِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ وَاللّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّهِ وَكَفَى بِاللّهِ وَكِيلاً ۔ [1]

جو رسول کی اطاعت کرے گا اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جو منہ موڑ لے گا تو ہم نے آپ کو اس کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا۔ اور یہ لوگ پہلے اطاعت کی بات کرتے ہیں، پھر جب آپ کے پاس سے باہر نکلتے ہیں تو ایک گروہ اپنے قول کے خلاف تدبیریں کرتا ہے اور خُدا ان کی ان باتوں کو لکھ رہا ہے، آپ ان سے اعراض کریں اور خُدا پر بھروسہ کریں اور خُدا اس ذمہ داری کے لئے کافی ہے

وما علینا إلا البلاغ المبین

[1] سورہ النساء ۸۱-۸۰

عقد سیّدانی کے متعلق سرکار آیت اللہ العظمیٰ آقائی السید لنگرودی دام ظلہ العالی کا مقدس فتویٰ

استفتاء

بحضور مبارک حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ السیّد لنگرودی دام ظلہ العالی
سلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
بعد از سلام امید وارم کہ جناب عالی بخیر هستند بندہ هم
با طفیل محمد و آل محمد بخیر هست
یک مسئلہ در کشور ما (پاکستان) مورد بحث قرار گرفت
کہ آیا عقد سیدانی با غیر سید جائز است؟
لطفاً نظر کرم بفرمائید فقط سیّد باقر عباس
والسلام ۲۱ اپریل ۱۹۹۲ء بروز [illegible]
سیّد نجم السبطین الحسنی

بسمہ تعالیٰ و لہ الحمد
پس از عرض سلام. ازدواج سیدہ بعقیدہ
شیعہ و بنظر اینجانب با غیر سید صحیح نیست
نباید ازدواج اینطوری صورت بگیرد
کہ محتمل بفعل حرام خواهد شد. بنحوی کہ
نوشتہ شد تفصیلا با بیان گفتہ خواهد
شد والسلام علیکم وعلی اخواننا المؤمنین
العبد
السید محمد صدر المرتضوی اللنگرودی